غالیہ بخاری

شہر آشوب

آج صبح سے ہی نیم گرم ہوا چل رہی تھی۔
احاطے کا بڑا سا زنگ خوردہ پھاٹک 'پورے کا پورا کھلا ہوا تھا۔ اگرچہ یہ "انتظامیہ" کے قواعد کی خلاف ورزی تھی مگر پھاٹک پر کھڑے سکھیا غریب کی بھی اپنی مجبوریاں تھیں۔

احاطے میں رہنے والی ساری بیبیوں کا آپس میں اتفاق رائے مثالی تھا۔ سو ان کی مشترکہ خواہش پر اسے یہ خدمت سرانجام دینا ہی پڑتی تھی۔
بدلے میں شام ڈھلے گھروں کو لوٹنے والے مردوں کی جھڑکیاں اور برخواست کردینے کی دھمکیاں۔
پر پھر بھی ساری کی ساری دیالو اور غریب پرور۔

روپے پیسے میں تو بخشش کی حد پانچ روپے سے زیادہ نہیں بڑھتی تھی۔ مگر جیسے کوئی بھی سمجھ دار شخص' تنخواہ سے زیادہ ساتھ میں ملنے والی مراعات پر زیادہ نظر رکھتا ہے' اسی طرح سکھیا بھی۔ بیبیوں کی طرف سے پہنچائے جانے والے کئی کئی دن پرانے بچے ہوئے کھانوں' جن میں بھی کبھی اتفاقاً" کوئی تازہ پکائی گئی ڈش بھی شامل ہو جاتی تھی اور استعمال شدہ مردانے کپڑوں کے لین دین میں ہی خوش تھا۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی اس نے اپنے لیے نئے کپڑے بنانے کا تردد کیا ہو۔
اب یہ اور بات تھی کہ احاطے کے گھروں سے ملنے

ناولٹ

والے کپڑوں کا حال بھی یہاں بسنے والوں کے حال سے مختلف نہیں تھا۔ مگر بہرحال کام تو چل ہی رہا تھا۔

اور زندگی میں اکثر بس کام ہی تو چلایا جاتا ہے۔

گھروں کے آگے اچھا خاصا کھلا کھلا سا حصہ خالی پڑا تھا۔ گیٹ سے لے کر وہاں تک جہاں احاطے کی پچھلی دیوار کے ساتھ آذر بیگ کا چھوٹا سا گھر تھا۔

احاطے کی ساری بیبیوں میں چونکہ مثالی اتفاق رائے تھا۔ سو اسی کی بدولت آذر بیگ کے گھر کی طرف دیکھنے تک سے بھی سب کا مشترکہ پرہیز تھا۔

احاطے میں جتنے بھی ٹھیلے والے آتے بیچ میدان میں اپنی دکان جمانے کو ترجیح دیتے' آخری سرے تک جانے کی زحمت کوئی بھی نہیں اٹھاتا۔ وہاں پر مارکیٹ ٹھنڈی ہی پڑتی تھی۔

وہ سب یہاں اتنے طویل عرصے سے آرہے تھے کہ غضب کے مزاج شناس ہو چکے تھے۔ سبزی والے سے لے کر مچھلی والا۔ پلاسٹک کے سامان والا موچی سے لے کر سلائی مشین ٹھیک کرنے والا ہو یا واٹر کولر کی ٹونٹیاں بدلنے والا' ہر ایک ہی اپنے اپنے مخصوص وقت میں یہاں کا پھیرا لگا کر جاتا۔

شام میں' بلکہ سہ پہر کے وقت سے "چیز" والوں کی باری آجاتی۔

چھولے' آئس کریم' قلفی' گولا گنڈا' پاپڑ' دال موٹھ' وغیرہ۔

جیسے کسی سرکاری اسکول کے سامنے کا منظر۔

بیبیوں کا پسندیدہ وقت' صبح سے ذرا بعد کا تھا۔

بچے' میاں دونوں ہی اسکول اور کام پر سدھارتے اور پیچھے رہ جاتا فراغت کا تسکین بخش احساس۔

"کل جو ٹنڈے دے کر گئے تھے۔ سارے کے سارے اندر سے پکے۔ بیچ ہی بیچ تنگ آکر گوشت میں پھر آلو ہی ڈالنا پڑے۔ پیسے جو غارت ہوئے سو ہوئے۔ ساس کو الگ شبہ ہونے لگا ہے کہ میں جان بوجھ کر روز آنہ آلو پکاتی ہوں' کیونکہ انہیں آلوؤں سے پرہیز ہے۔"

رضوانہ کی ساس کو شوگر تھی۔

سبزی والے کے لتے لینے کے ساتھ ساتھ' اپنے قریبی حلقۂ احباب کو اندرون خانہ کی تازہ صورت حال سے بھی آگاہ کرنا ضروری تھا۔

"تو' اب ایک آدمی کے ساتھ کیا سارا گھر ہی پرہیز کرنا شروع کردے۔ تم نے بھی ایک ہوا سوار کرلیا ہے خود پر' ارے جو دل چاہے پکاؤ جسے کھانا ہوگا آپ ہی کھائے گا۔"

زری کی امی جیسے تڑپ ہی تو گئیں۔

رضوانہ کے' ویسے چاہے ساس سے لاکھ اختلاف رہتے تھے مگر ایسی سخت دل بھی نہیں تھی۔ سو ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر سے سبزی کے ٹھیلے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

لوکی' توری' اروی' بھنڈی' پالک سبزیوں کی کون سی کمی تھی۔

اب وہ ساس کی مرضی کی ہی سبزیاں تلوا رہی تھی۔

اپنی بات کو بے اثر جاتا دیکھ کر' زری کی امی کو تھوڑی سی خفت کا احساس ہوا تو اسے زائل کرنے کے لیے ایک بار پھر بول پڑیں۔

"جب ہی تو وہ تمہیں انگلیوں پر نچا رہی ہیں۔ ہر جائز ناجائز مانتی ہو' اور سارے خاندان کی خدمت الگ' ، ملے پھر بھی برائی۔ سمجھ دار لڑکیاں تو سب سے پہلے ان سارے جھنجھٹوں سے جان چھڑاتی ہیں۔"

رضوانہ کی برین واشنگ کرتے کرتے ایک دبی دبی سی آہ ان کے دل سے بھی اٹھی مگر لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی۔

رضوانہ کی جگہ اگر ان کی زری ہوتی' تو یہ نیک کام وہ کب کا انجام دلوا چکی ہوتیں' مگر ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی زری کا رشتہ علیم سے نہیں ہو پایا تھا۔

بلکہ بالکل ہی عام سی شکل و صورت والی رضوانہ تقدیر میں لکھے اس بندھن میں بندھ کر کوئٹہ جیسے دور دراز شہر سے یہاں اس احاطے میں بسنے کے لیے چلی آئی تھی۔

دل میں ہوتی ایسی چبھن کو کم کرنے کے لیے وہ خود بخود ہی رضوانہ کی غم خوار بنتی چلی جارہی تھیں۔ علیم

کی امی کو ان کی پسند کردہ بہو کے ہاتھوں زچ کرواتے ہوئے انہیں بڑی کمینی سی خوشی حاصل ہوتی تھی۔

رضوانہ سبزی لے کر واپس اندر جا چکی تھی۔ آج اسے لان کے نئے سوٹ لینے شاپنگ پر جانا تھا کل ہی علیم نے اسے پیسے دیے تھے' سو آج وہ بے حد جلدی میں تھی۔

"چلو جی' اللہ مالک ہے۔ آخر کو میری زری کا نصیب بھی کہیں نہ کہیں تو کھلے گا ہی۔"

زری کی امی نے صبر کا گھونٹ بھرتے ہوئے دوسری طرف متوجہ ہونا چاہا۔ یہ دل جلانے والے اس موضوع کی گونج برسوں اب بھی باقی تھی۔

"دونوں ہاتھوں سے پیسہ لٹا رہی ہے۔ پچھلے سال گرمی کے موسم میں ہی تو شادی ہوئی تھی۔ درجن بھر لان کے سوٹ جہیز میں لائی تھی۔ اور دس دن بعد ہی یہاں پر بھی شاپنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کچھ کم نہیں تو پندرہ بیس سوٹ تو رضوانہ نے یہاں بھی آتے ہی سلوا لیے تھے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں زیتون آپا۔"

قریب کھڑی نازلی' زیتون آپا سے تصدیق چاہ رہی تھی۔ ان کی ساری توجہ فی الوقت "ہر مال" والے ٹھیلے پر تھی۔ سستے پلاسٹک کے برتنوں پر منحصر والے برتنوں جیسے پرنٹ چھانٹنے میں مصروف تھیں۔ ایسے ڈیزائن' جن کے بارے میں انہیں پکا یقین ہوتا کہ دیکھنے والے سو فیصدی دھوکا کھا جائیں گے' پر مصروفیت چاہے جو بھی ہو' اس وقت جو یہ کھچڑی سی پکتی تھی۔ اس کی لذت سے کوئی بھی محروم نہیں رہنا چاہتا تھا۔

زیتون آپا کو بھی' بھلے رضوانہ کے جوڑوں کی صحیح تعداد یاد تھی یا نہیں' مگر نازلی کی بتائی گئی تعداد سے متفق ہونے میں ذرا سا بھی تامل نہیں تھا۔ "کیوں نہیں اڑائے گی بازاروں میں پیسہ' آخر کو کوئٹہ جیسے شہر سے آئی ہے۔ شاپنگ کا چسکہ تو وہیں سے لگا کر لائی ہے۔"

اپنی بات کہتے ہوئے وہ ٹھٹھا مار کر ہنس پڑیں۔ وجہ اپنی کہی بات سے لطف اندوز ہونے سے زیادہ' ایک بہت ہی خوش نما ڈیزائن نظر آجانے کی خوشی تھی۔

نازلی کو اس وقت نہ ان کا ہنسنا اچھا لگا اور نہ کہی۔

"شاپنگ کا شوق بھلا کس عورت کو نہیں ہوتا۔"

خود وہ بھی پندرہ سولہ سال پہلے جب یہاں شادی ہو کر آئی تھی تو پلو میں بندھے گنے چنے ہی ارمان ساتھ تھے۔

من چاہی زندگی' جان چھڑکنے والا شوہر' نت نئے کپڑے زیور' اور تفریحی مقامات کی تو اس نے باقاعدہ درجہ بندی کی ہوئی تھی۔ کہاں پہلے جانا ہے اور کہاں بعد میں' اور کہاں بار بار۔ اور یہ بار بار والی جگہ' کراچی جیسے شہر میں سی ویو کے علاوہ اور کون سی ہو سکتی تھی۔

منگنی سے شادی تک کے وقفے میں ملتان کی چلچلاتی گرمیوں کے تپتے موسم اس نے اسی سہانے تصور کے ساتھ بڑے آرام سے کاٹے تھے کہ اب بہت جلد وہ اور سراج ہوں گے اور ساحل پر ان دونوں کے قدموں تلے بچھی ریت' جس پر وہ گھنٹوں چہل قدمی کرتے ہوئے کبھی نہ تھکیں گے۔ اور جب کوئی بڑی سی لہر پاس آکر پیروں کے نیچے سے ریت سرکائے گی تو۔۔۔! اسے سوچ کر ہی کتنا مزہ آتا تھا۔

ایک وقت ہوتا ہے نا ایسا۔ جب ہر ایک کو اپنے ہر خواب کی تعبیر پا لینے کا سو فیصد یقین ہوتا ہے۔ نازلی کو اپنی بے حد گوری رنگت اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں کے بل پر ایسا ہی بھروسہ ایک سو دس فیصد تھا' پر اب وہ بے حد گوری رنگت بھی جھائیوں تلے دب کر کب کی کھو چکی تھی۔

اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں پر بھی موٹے عدسے والا چشمہ لگ چکا تھا۔ باقی رہے خواب۔

تو خواب بھلا کب مرتے ہیں۔ بس کھو جاتے ہیں۔

نازلی کی ساری فرسٹریشن' دوسرے پر تنقید کر کے نکلتی۔ خاص طور سے ان پر جو اسے اپنے سے بہت بہتر حالت میں محسوس ہوتے۔

احاطے کی مثالی اتحادی بیبیوں کے درمیان دلوں میں چھپا کر رکھا حسد' بڑا فطری تھا۔

"یہاں تو وہی پرانے بدرنگ جوڑے نصیب میں لکھے ہوئے ہیں۔ جو پھٹ کر ہی جان چھوڑتے ہیں۔"

نازلی کا غم کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

نہ آدھ کلو ٹماٹر اور پودینے کی گٹھی لینے کی غرض سے سبزی والے کے پاس آکر کھڑی ہوتی اور نہ ہی یہ نئی ٹینشن سر پر سوار ہوتی۔ رضوانہ کے خوش رنگ سوٹ آنے سے پہلے ہی منہ چڑاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ یہاں ابھی نئی تھی اس لیے اس کا نوٹس بھی زیادہ لیا جاتا تھا۔

زیتون آپا کا برتنوں کا سودا طے پا گیا تھا۔ سو وہ یہی سوچ کر بہت خوش تھیں کہ ان کے خریدے گئے برتنوں کی کتنی تعریف ہوگی۔ اور انہوں نے ٹھیلے کے مالک جیسے گھاگ کاروباری سے' کیسے آرام سے اپنی مرضی کے دام طے کیے۔

"بالکل یہی ڈیزائن اور یہی رنگ' میں نے ایک اور جگہ دیکھے تھے' مگر قیمت اتنی زیادہ کہ تم تصور نہیں کر سکتیں۔" وہ اپنے قریب کھڑی کسی دوسری عورت سے کہہ رہی تھیں۔ تب ہی اسی احاطے کی پچھلی دیوار کے ساتھ والے "ممنوعہ" علاقے کی طرف سے خانم آتی ہوئی دکھائی دی۔ ان کے ساتھ اوروں نے بھی تقریباً ایک ساتھ ہی اسے دیکھا تھا اور یہ بڑی بدمزگی والی بات تھی۔

"آج یہ کہاں اس وقت چلی آرہی ہے۔ خوامخواہ ہی گھسنے کی کوشش کرے گی' میں تو بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

نازلی نے ٹماٹر پودینے کی تھیلی اٹھاتے ہوئے' اپنے گھر رہ جانے کا قصد کیا تو آپا زیتون نے تھوڑی سی خفگی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ضرورت ہے اندر جانے کی' آرہی ہے تو آنے دو' یہاں اسے کون لفٹ کراتا ہے۔ ڈھیٹ بن کر کھڑی رہے گی چند منٹ' کچھ شرم والی ہوتی تو یوں ہم سب کے بیچ آکر کھڑی ہی کیوں ہو۔

"اور اگر شرم والی ہوتی' تو ایسا کام ہی کیوں کرتی۔ اپنے باپ کی عمر کے آدمی سے نکاح پڑھوا کر کہیں دیدہ دلیری کے ساتھ یہیں اسی احاطے میں رہ رہی ہے۔ یہی کچھ کرنا تھا تو کم از کم کہیں اور جا کر ہی کر لیا ہوتا۔ مرے ہوئے ماں باپ کی شرافت کا بھی کوئی لحاظ نہیں۔"

قریب کھڑی پڑوسن نے مزید تڑکا لگایا۔

خانم اتنی دیر میں بالکل قریب آچکی تھی۔

"السلام علیکم!"

اس کی نرم اور واضح آواز سب ہی نے سنی' مگر ذرا سا رخ دے کر کھڑی وہ ساری عورتیں جیسے ایک دم ہی اردگرد سے بالکل بے نیاز ہو کر اپنی باتوں میں بے حد مصروف ہو گئیں۔

"وعلیکم السلام باجی!"

سلام کا جواب دینے کا فریضہ' نزدیک کھڑے دونوں ٹھیلے والوں نے نبھایا۔

خانم چند لمحے ان سب کی طرف دیکھے گئی' جو اسے قطعی گھاس ڈالنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ پھر کچھ مایوس سی ہو کر سبزی کے ٹھیلے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

عام طور پر وہ اپنی ضرورت کی سب چیزیں اتوار کو مارکیٹ جا کر خرید لاتی تھی۔ اس کے شوہر انوار صاحب کے پاس ایک چھوٹی سی پرانی گاڑی تھی۔ اس میں وہ خانم اور اسی کے آٹھ نو سال کے بچے کو بٹھا کر لے جاتے ہوئے نظر آتے تھے۔

بے نیازی برتنے والی ساری خواتین کی پوری توجہ اسی طرف تھی۔

آج شاید خانم کا ارادہ چائنیز بنانے کا تھا۔ یہ ان سب نے وہ ساری سبزیاں جو وہ خرید رہی تھی دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا۔

صاف ستھرا چہرہ اور لباس' میک اپ کرتے ہوئے اسے شاید ہی کبھی کسی نے دیکھا ہو۔ اور ایمان داری کی بات تھی کہ اسے کسی میک اپ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کا چہرہ بے حد پُرکشش تھا۔

یہاں کھڑی ساری عورتوں کو اس کی پہلی شادی اسی طرح یاد تھی' جیسے کل کی بات ہو۔

احاطے سے رخصت ہو کر جانے والی' اور بیاہ کر یہاں آنے والی کوئی بھی لڑکی' دلہن کے روپ میں اتنی

سیمن آج تک سیں لی تھی۔ جیسی کہ خانم۔
اور یہ بات اس کے کٹر ترین مخالف بھی، بنا کسی ہچکچاہٹ کے تسلیم کیا کرتے تھے۔
"آپ کی بچی اب کیسی ہے نازلی آپا! میں آنا چاہ رہی تھی اسے دیکھنے کے لیے مگر۔"
خانم واقعی بڑی ڈھیٹ تھی۔ سبزی کا شاپر سنبھالے اب پاس آکر خوامخواہ اپنی جگہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سوال نازلی سے کیا گیا تھا۔ سو جواب دینے کی ذمہ داری اس پر ہی آن پڑی تھی۔
"ٹھیک ہے وہ بالکل، ایک چوٹیں تو بچوں کو لگتی ہی رہتی ہیں۔ اب تو سارے میں بھاگتی پھر رہی ہے۔"
بڑی رکھائی سے جواب دے کر وہ پھر سے زیتون آپا کی طرف متوجہ ہوگئی۔ حالانکہ پرسوں جب احاطے کے باہر سے اس کی چار سالہ بچی کو ماتھے سے بہتے ہوئے خون کے ساتھ، خانم گود میں اٹھا کر لائی تھی۔ تب سے اب تک نازلی کا شوہر کئی بار کہہ چکا تھا کہ ان لوگوں کو جا کر خانم کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہیے۔
"اللہ بچوں کو اپنی امان میں رکھے، بچے ہی جانیں ہیں۔ مجھے تو آپ کی بچی کی بڑی فکر رہی۔"
نازلی کو اپنے عقب سے پھر اس کی آواز سنائی دی۔ مگر ہوں ہاں کر کے بات کو بڑھانے میں دانش مندی نہیں تھی۔ سو خاموش رہی۔
خانم کو لگا جیسے کسی نے بھی شاید اس کی بات سنی ہی نہیں۔ چند لمحے وہ یوں ہی خاموش کھڑی رہی۔ پھر واپس اپنے گھر کی طرف مڑ گئی۔
اور سب نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔
نازلی کے گھر کی دیوار، خانم کے مرحوم والدین کے گھر سے ملی ہوئی تھی۔ جو اب خانم کے بھائی بھابھی کی ملکیت تھا۔ اسی حوالے سے اندرون خانہ حالات سے سب سے زیادہ باعلم بھی نازلی ہی رہتی تھی۔
"خانم کے اٹھائے گئے ایک غلط قدم نے سارے گھر میں ویرانی پھیلا کر رکھ دی۔ بھائی بھاوج غریب تو مارے شرم کے اب زیادہ گھر سے نکلتے بھی نہیں۔ بھابھی تو زیادہ تر اپنے میکے ہی میں رہنے لگی ہے۔ صبح کو میاں لے جاتا ہے۔ دفتر کے راستے میں ہی اس کا میکہ پڑتا ہے نا۔ پھر شام کو واپسی پر لے لیتا ہے، میں رات کے کھانے کے بعد اکثر اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتی ہوں، تو صرف اسی کم بخت خانم کی باتیں چھڑ جاتی ہیں۔"
سب ہی نے باجماعت "چچ چچ" کر کے افسوس کا اظہار کیا۔
"کام بھی تو ایسا کیا خانم نے، اچھی بھلی عزت سے بھائی کے گھر میں رہ رہی تھی۔ بیوگی کے کچھ سال نکل ہی جانے تھے۔ کل کو جوان بیٹا سہارا بن جاتا مگر بس کیا کہیں۔ توبہ ہی کرنی چاہیے انسان کو۔"

سنجیو کپور کی کتاب "کھانا خزانہ" کی کامیابی کے بعد لذیذ کھانوں کی ترکیبیں

انڈین کھانے

سنجیو کپور

قیمت : 250/- روپے
ڈاک خرچ : 30/- روپے

آج ہی گھر بیٹھے منگوانے کے لئے 280/- روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال کریں۔

منگوانے کا پتہ

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون: 2216361

زیتون آپا کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے مڑنے لگی تھیں۔ تب ہی رضوانہ جو دوبارہ کچھ لینے کے لیے یہاں آکھڑی ہوئی تھی دھیرے سے بول پڑی۔

"خانم کی بھابھی کو تو خیر میں نے کبھی بھی گھر میں ٹکتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میرا تو خیال ہے کہ اس عورت کا دل لگتا ہی اپنے میکے میں ہے ورنہ اس طرح روزانہ اپنے گھر سے کون نکل سکتا ہے۔"

اس چھوٹے سے تبصرے کا فوری طور پر بے حد برا منایا گیا۔

اٹھائے کی بیبیوں کا "اتفاق رائے" ایسے ہی تو مثالی نہیں کہا جاتا تھا۔

"پہلے کب نکلتی تھی وہ بے چاری اس خانم کی ذمہ داری اس کے سر پر تھی۔ کبھی دو گھڑی کے لیے محلے کے کسی گھر میں بھی آکر نہیں بیٹھ پاتی تھی۔"

"تمہیں کیا پتا یہاں آئے ہوئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔"

خانم کی بھابھی کی طرف داری کے لیے وہ ساری کی ساری متحد تھیں۔

رضوانہ بے چاری شرمندہ سی نظر آنے لگی۔

"ہمارے تو پورے محلے میں دو ہی بہوئیں مثالی آئی ہیں۔ ایک خانم کی بھابھی اور دوسری زیتون آپا کی بہو۔" نازلی نے حساب برابر کیا۔

رضوانہ کی شرمندگی افسوس میں بدلنے لگی۔ خود اس کا ان "باصفات" عورتوں میں کہیں بھی ذکر نہیں تھا۔

آج معمول سے زیادہ دیر ہوگئی تھی۔ مرد بے شک شام ڈھلے لوٹتے تھے۔ پر بچوں کو تو جلد ہی آجانا تھا۔ بھوک بھوک کا نعرہ لگاتے ہوئے سو محفل برخواست ہوئی۔

زیتون آپا کا گھر سامنے والا تھا۔ کریم کلر کا چھوٹا سا گیٹ، کب سے ان کے انتظار میں ادھ کھلا تھا۔ کبھی کبھی وہ واقعی دل ہی دل میں مغرور ہونے لگتی تھیں۔ ان کی بہو نادیہ واقعی مثالی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سراج۔۔۔"

نازلی نے پکارا تو اسے پہلی بار ہی تھا۔ مگر نہ معلوم اس کے لہجے میں ایسا کیا تھا کہ دس بار کی آواز پر نگاہ اٹھا کر دیکھنے والا سراج، پہلی آواز پر ہی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے۔؟"

بیوی کی طرف بغور دیکھتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں خود بھی قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔

وہ اورنج اور گلابی پرنٹ والا جوڑا جس کی وہ نہ جانے کس موڈ میں ایک بار تعریف کر گیا تھا، پہنے ہوئے وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی کھڑی تھی۔

"کہیں جارہی ہو؟" بڑے امید بھرے انداز میں وہ پوچھ بیٹھا۔ نازلی کا دل ہی تو حل کر رہ گیا۔

"مجھے کہاں جانا ہے۔"

"جہاں دل چاہے، تمہیں کون سا میں نے کبھی منع کیا ہے کہیں آنے جانے پر۔" بڑی سخاوت کا اظہار کرتے ہوئے سراج نے دو دن پرانے اخبار کا فلمی ایڈیشن پھر سے کھول لیا۔ جو وہ آج آفس سے واپسی میں ساتھ لیتا ہوا آیا تھا۔

"تو میں جاتی کہاں ہوں، سارا دن گھر میں ہی پڑے رہنا ہے۔ گھر کے دھندے ہی کب ختم ہوتے ہیں۔"

نازلی نے بمشکل خود کو تلخ ہونے سے روکا۔ مگر سراج پر عورتوں کی اس مشترکہ محرومی کے بارے میں مردوں کی وہی ازلی "مشترکہ" بے حسی چھائی رہتی تھی۔

"تم عورتوں کے تو رونے ہی ختم نہیں ہوتے۔ ہر طرح کی آزادی ملی ہوئی ہے۔ پھر بھی دماغ ٹھکانے پر نہیں رہتا۔"

اس طرح کی "عزت افزائی" وہ اکثر ہی کر جاتا تھا اور جواباً نازلی بھی کچھ نہ کچھ کہہ سن لیتی تھی۔ مگر اس وقت دل پر کچھ عجب طرح کی چوٹ پڑی۔ بھولے

بسرے خوابوں کی یاد' پانی کے قطروں کی صورت پلکوں کے کناروں پر آکر ٹھہر گئی۔ خاموشی کا ایک چھوٹا سا وقفہ جو ان دونوں کے درمیان آگیا تھا۔ سراج کو بھی اپنی غلطی کا احساس دلا گیا۔

اپنی پسندیدہ ایکٹرس کی خوبصورت تصویر پر سے نگاہ ہٹا کر اسے نازلی کی طرف دیکھنا ہی پڑا۔

"کیا ہو گیا' میں نے تو بس ایسے ہی ایک بات کہہ دی تھی۔" اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر سراج کا لہجہ کچھ نرم ہوا۔

نازلی تو اب اس سے اتنی بھی توقع نہیں رہتی تھی۔ یہ سب یقیناً" اس کے "تیار" ہونے کا کمال تھا۔ اسی خیال نے اسے پر اعتماد کیا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی سراج! آج تو تم آبھی جلدی گئے ہو۔ کیوں نہ ہم کہیں گھومنے چلیں۔"

"اس موٹر سائیکل پر' اتنے بڑے چار بچوں کے ساتھ۔" سراج کو کبھی کبھی نازلی کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگتا۔

"بڑے بچے تو اب ٹیوشن پر جانے والے ہیں۔ دو گھنٹے بعد آئیں گے۔ چھوٹی کو ہم ساتھ لے چلتے ہیں۔ واپسی پر ان لوگوں کے لیے کچھ کھانے پینے کو لے آئیں گے۔"

وہ اپنے طور پر سارا پروگرام سیٹ کیے ہوئے تھی۔

"مہینے کی آخری تاریخیں ہیں۔ اس بار کتنا خرچ تو اس چھوٹی کی دواؤں پر ہی ہو گیا۔ نہ تم لاپروائی برتتیں اور نہ وہ احاطے سے باہر جا کر اپنا سر پھٹوا کر آتی۔ وہ تو بھلا ہو بے چاری خانم کا جو روتی بلکتی بچی کو گھر تک اٹھا کر لے آئی۔"

سراج بہانے بہانے سے خانم کا احسان یاد دلاتا رہتا تھا۔ مگر نازلی کا مسئلہ اس وقت خانم کے بجائے کچھ اور تھا۔

"بچی کی دواؤں کی بھلی کہی' اور جو تمہاری دونوں بہنیں بچی کی طبیعت کے بہانے دو دو دن رہ کر گئیں۔ ان کی خاطر مدارات میں تو جیسے کچھ خرچ ہی نہیں ہوا۔ انہیں تو بس بہانا ملنا چاہیے یہاں آکر دھرنا دینے کا۔"

نازلی نے فوراً" ہی اسے اصل "خرچے" یاد دلائے' مہینے کی بھلے آخری تاریخیں تھیں۔ مگر اسے اچھی طرح پتہ تھا کہ سراج اپنے پاس ہر ماہ کتنے پیسے بچا کر رکھتا تھا۔ جو اس کے اپنے "شوق" کی نذر ہوتے تھے۔

سراج بے حسی سے کان لپیٹے بیٹھا رہا۔ یہ اس کا سب سے کارگر طریقہ تھا' اور نازلی کے لیے اور بھی زیادہ تکلیف دہ۔ ایسے ٹھس اور خود غرض انسان کے ساتھ تقدیر پھوٹے جانے کا غم پھر سے تازہ ہونے لگتا۔

"اب اس آذر جواری کے گھر جا کر جو رات گئے تک محفل جمی رہے گی۔ وہاں تو تمہارا بٹوہ فوراً" ہی کھل جائے گا۔" روہانسی سی ہو کر اس نے آخر وہی طعنہ دے ڈالا جو محلے کے سارے مردوں کو سب سے زیادہ چبھتا تھا۔ سراج بھی بلبلا گیا۔

"ایک شریف آدمی پر اتنے گھٹیا الزام لگاتے ہوئے تم عورتوں کو شرم نہیں آتی' ہفتے میں اگر ایک آدھ رات دیر تک سب اس کے گھر بیٹھ جاتے ہیں تو تم لوگوں نے معلوم نہیں کیا کیا مفروضے گھڑ لیے ہیں۔"

"اب لگا نا برا۔ سچی بات ایسے ہی چبھتی ہے۔"

نازلی کو جیسے تسلی ہوئی۔ اتنی دیر سے سراج جو چپ کی مار مار رہا تھا۔ اس کا ازالہ اکثر ہی' آذر کے گھر میں جمنے والی بیٹھک کے طعنے سے ہوتا تھا۔

"بچہ' بچہ جانتا ہے کہ آذر کے گھر میں جوا کھیلا جاتا ہے۔ تم سارے مرد اپنے فائدے کے لیے اس بات کو چھپاتے ہو' مگر کسی دن جو پولیس تک شکایت پہنچ گئی تو سارے کے سارے رنگے ہاتھوں دھر لیے جائیں گے۔"

سراج کا دل چاہا کہ ایسی بد زبان عورت کے کس کر دو ہاتھ تو لگا ہی دے' مگر اسے پتہ تھا کہ نازلی جو کچھ بھی کہہ رہی ہے' وہ احاطے کی ساری عورتوں کی مشترکہ رائے ہے۔ سراج کے لگائے دو تھپڑ' اس مشترکہ رائے عامہ پر ذرہ بھر بھی اثر انداز ہونے والے نہیں تھے۔

تب ہی لوہے کا بیرونی دروازہ زور سے بجا۔

"آجاؤ بھئی' دروازہ کھلا ہے۔"

سراج نے اکتاہٹ بھرے انداز میں زور سے کہا۔

"نازلی آنٹی! آپ کو دادی نے بلوایا ہے۔"

سامنے زیتون آپا کا پوتا کھڑا تھا۔

نازلی کو یاد آیا کہ زیتون آپا کی بیٹی نے لاہور سے کسی کے ہاتھ کچھ سامان بھیجا تھا۔ یقیناً" انہوں نے وہی دکھانے کے لیے اسے بلاوا بھیجا تھا۔

"ان سے کہنا میں ابھی آرہی ہوں۔"

کچھ سوچ کر اس نے بچے کو جواب دیا تو وہ فوراً" ہی دوڑتا ہوا واپس بھاگ گیا۔

سراج کی جلی کٹی سن لینے کے بعد دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہیں بھی جانے کو مگر ایک تو تیار بھی وہ اس وقت بہت دل لگا کر ہوئی تھی' اور دوسرے وہاں جاکر دل بھی بہل جاتا لہٰذا چھوٹی کا فراک تبدیل کرکے۔ سراج کو اطلاع دیتے ہوئے وہ باہر نکل آئی۔

سامنے ہی سکھیا کولڈ ڈرنکس کا کریٹ اٹھائے جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کا رخ آذر کے گھر کی طرف تھا۔ آج پھر مردوں کی محفل جمنا تھی۔

یہ سارا اہتمام اسی سلسلے میں تھا۔ نازلی کا دل اور بھی برا ہونے لگا۔

عورتوں کی کتنی ہی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا خون' مردوں کے اس کارڈز کھیلنے کی لت کے پیچھے ہی ہوا ہوگا۔ نازلی کے پاس ایسے بہت سے تکلیف دہ مفروضے جمع رہتے تھے۔ جن کے بارے میں وہ پر یقین تھی۔ اور تو اور یہ سکھیا کم بخت بھی۔

"ہزار بار منع کیا ہے کہ کوئی ضرورت نہیں ہے یہ خدمت بجالانے کی۔ مگر ایک جو سنتا ہو۔ مفت جو کرم کرتے ہوں گے یہ سب' اور ہم لوگ جو اتنا خیال کرتے ہیں' وہ تجھے کبھی بھی یاد نہیں رہتا۔"

سراج کی بخشی ہوئی جھنجلاہٹ' سکھیا پر اتری۔ وہ دانت نکالنے لگا۔

احاطے کی بیبیاں کتنی بھی دیالو اور غریب پرور ہوں وہ دینے کے نام پر صرف وہی چیزیں دیا کرتی تھیں' جن کے متعلق انہیں پورا پورا یقین ہوتا تھا کہ اب وہ ان کے کسی کام کی نہیں رہیں۔ جب کہ مرد زبان کے لاکھ سخت سہی' پر اس طرح کی سوچ بچار کے بجائے سیدھے سیدھے پیسے پکڑا دیا کرتے تھے۔

خاص طور پر آذر بیگ کی کارڈز کی محفل میں تو اس کی تھوڑی سی خدمت کے صلے میں اچھی خاصی بخشش مل جایا کرتی تھی۔

"آج تو وہاں حلیم بھی پک رہی ہے۔ نازلی باجی!" سکھیا نے محض اس کا موڈ بحال کرنے کے لیے یہ نئی خبر بھی سنائی۔

"اچھا' کون پکا رہا ہے؟"

وہ ٹھٹکی۔ "انوار صاحب اور ان کی بیگم' ان ہی کے صحن میں پک رہی ہے دیگ۔"

نازلی کے چہرے پر تناؤ آگیا۔

خانم' اس کے میاں اور آذر مثلث کے تین زاویوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

احاطے کی پچھلی دیوار کے ساتھ اکثر ہی وہ چہل قدمی کرتے ہوئے نظر آجاتے تھے۔ یا پھر اپنے گھروں کے آگے بنائے ہوئے موتیا اور گلابوں کے تختے کے قریب بیٹھے باتیں کرتے دکھائی دے جاتے۔

☼ ☼ ☼

زیتون آپا اپنے کمرے میں مینا بازار سجائے بیٹھی تھیں۔

نت نئے سوٹ' شالیں' بیڈ شیٹس وغیرہ' زیتون آپا کی بیٹی رہتی تو لاہور میں تھی مگر سوغاتیں اس طرح بھیجتی جیسے دوبئی میں رہتی ہو۔ اس وقت اس دلکش منظر سے زیادہ نازلی کی لائی ہوئی اطلاع میں کشش تھی۔

"خانم کو تو کیا کہوں' مگر انوار صاحب تو کسی زمانے میں واقعی بھلے آدمی سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے کیسے اس آذر سے دوستانہ گانٹھ لیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ محلے کے سارے مردوں کو شہہ ہی انوار صاحب کی وجہ سے ملی ہوئی ہے۔" زیتون آپا تاسف سے کہنے لگیں۔

نازلی کا دل پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ سراج کے ساتھ ہونے والی تازہ لڑائی کا احوال بھی سنا ڈالا۔

"دلچسپی تو مجھ میں سراج کو پہلے بھی کوئی خاص نہیں تھی زیتون آپا! نئی نئی شادی کے زمانے میں بھی' جب شوہر بیویوں کے آگے غلام بنے گھومتے ہیں یہ اللہ کا بندہ' ہمیشہ ہی تیوری پر بل ڈالے رہا اور اب تو جیسے اسے میرا وجود بھی گوارا نہیں ہے۔ بس چلے تو دھکے دے کر باہر کھڑا کردے۔"

صورت حال اتنی تکلیف دہ تھی بھی یا نہیں۔ ایک بار بھی اس بات پر غور کرنے کے بجائے' آپا زیتون اس کا دکھ بانٹنے پر کمربستہ ہو چکی تھیں۔

"یہ سراج تو شروع سے ہی ایسا ہے۔ اکیلا تھا اس لیے ماں بہنوں نے جی بھر کر بگاڑا ہے۔ وہ تو قسمت اچھی تھی' جو تم ہیرے جیسی بیوی اسے مل گئی ہے۔"

نازلی کے ٹوٹتے بکھرتے اعتماد کو زیتون آپا کی ایسی باتوں سے سہارا مل جاتا تھا' وہ ایک آہ بھر کر رہ گئی۔

"سراج کی قسمت تو اچھی سہی' پر میری۔"

نازلی کی قسمت کی اس "دل دوز" کہانی کا ریکارڈ اتنے سالوں میں بج بج کر گھس چکا تھا۔ کسی کو بھی واقعتاً" اس سے ایسی ہمدردی نہیں تھی جیسی کہ ظاہر کی جاتی تھی۔ بس باہمی مروت' کا ایک سلسلہ تھا جو جاری تھا۔ اصل میں سب کو خانم کے قصے کو دہرانے میں آتا تھا جو ابھی تک نیا بھی تھا اور اس میں دلچسپی کے ایک سے زائد سلسلے نکلتے تھے۔

زیتون آپا کی بہو ناویہ جتنی دیر میں چائے بنا کر لائی' نازلی' لاہور سے معصومہ کے بھیجے گئے تحائف دیکھ کر فارغ ہو چکی تھی۔

معصومہ کی شادی کو فقط پانچ سال ہوئے تھے۔ لڑکا اپنے بڑے بھائی کے ساتھ جنرل اسٹور چلا رہا تھا اور ان ہی کے ساتھ رہتا تھا۔ والدین بھی حیات نہیں تھے۔ وہ لوگ خوش حال بھی تھے اور بے حد شریف بھی۔

یہ نازلی کی اپنی حتمی رائے تھی' معصومہ کے بھیجے گئے تحائف دیکھنے کے بعد۔

رضوانہ کے بعد اسے کسی پر اگر رشک آتا تھا تو معصومہ پر' جو ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہی تھی۔

"خدا برکت دے۔ معصومہ کے میاں نے بھائی اور بھتیجوں کے ساتھ مل کر تیسرا اسٹور کھولا ہے" یہ زیتون آپا فخریہ لہجے میں بتا رہی تھیں۔

"اچھا' یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے' میری طرف سے بھی معصومہ کو مبارکباد دے دیجئے گا۔"

نازلی نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ' دنیا داری نبھائی۔

"ویسے خانم کھانا بہت مزے کا بناتی ہے۔ اس کی بھابھی نے تو کچن مکمل طور پر اسی کے حوالے کر دیا تھا۔ بلکہ کچن کیا پورا گھر ہی کتنی خوبی سے' اس نے سنبھالا تھا۔ سلیقہ مند تو بے حد ہے' یہ تو ماننا پڑے گا۔"

زیتون آپا کی بہو جو بے حد اچھی سمجھی جاتی تھی۔ اس میں شاید ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ براہ راست کسی کی برائی شاذ و نادر ہی کیا کرتی تھی اب یہ تو دوسرے پر منحصر تھا کہ وہ اس کی اچھی بات کے رد عمل میں کوئی مخالف پہلو ڈھونڈ نکالے' جیسا کہ اس وقت نازلی اور زیتون آپا کر رہی تھیں۔

"کیا برا تھا اگر عزت سے بھائی کے گھر ہی بیٹھ جاتی' بیوگی کے بعد' خون کے رشتوں سے بڑھ کر کون اپنا ہو سکتا ہے۔ مگر اس نے بھائی کی خفگی کی بھی پروا نہیں کی۔ زندگی بھر کا قطع تعلق منظور کر لیا۔"

"اور اب وہاں بھی تو آخر خدمتیں ہی کر رہی ہے۔ انوار صاحب کی بیٹی داماد' دوسرے رشتے دار آتے ہیں تو ہفتوں رہ کر جاتے ہیں۔ اور یہاں اس کے بھائی کے ہاں تو چھوٹی سی فیملی تھی۔ پھر بھی ہر وقت ایسی دکھائی دیتی تھی کہ جیسے معلوم نہیں کیسے ظلم توڑے جا رہے ہیں اس پر' اور اگر کوئی مناسب رشتہ مل جاتا تو اس کی بھابھی خود اپنے ہاتھوں سے یہ فرض انجام دے دیتی۔ بے چاری اب بھی اکثر ہی کہتی ہے۔"

نازلی بلا تکان بولے جا رہی تھی۔

اپنی اپنی الجھنوں سے فرار حاصل کرنے کا یہی قاعدہ سب سے زیادہ عام ہے۔

دوسرے کی نفی کر کے' اپنے اندر جو ایک اطمینان اترتا ہوا محسوس ہوتا۔ وہی سکون زیتون آپا اور نازلی کو بھی بے حد عزیز تھا۔

☼ ☼ ☼

خانم نے گھبرائے ہوئے انداز میں گیٹ کھول کر باہر جھانکا۔ دھوپ اگرچہ تیز ہو چکی تھی۔ مگر احاطے کی چہل پہل ابھی ماند نہیں پڑی تھی۔

ساری سرگرمیاں "جاری و ساری" تھیں۔

اتنی دور سے بھی اس نے نازلی' زیتون آپا' رضوانہ اور زری کی امی کے ساتھ دو تین اور شناسا چہروں کو پہچان لیا تھا۔

یہاں سے ان لوگوں کو آواز تو نہیں دی جا سکتی تھی۔ اور ہاتھ کا اشارہ وہ لوگ دیکھ کر بھی انجان بن جاتیں اس کا اسے پورا اندازہ تھا۔

ایک پریشان سی نگاہ' گھر کے اندر ڈال کر وہ دوسرے ہی لمحے تیز قدموں سے ان لوگوں کی طرف چل پڑی۔

"زیتون آپا! پلیز ذرا آپ لوگ میری بات سن لیں۔"

رضوانہ کے گھر کے سامنے لگے گھنے سایہ دار درخت کے نیچے کھڑی وہ ساری عورتیں اسے آتا ہوا دیکھ چکی تھیں اور اس کے چہرے اور چال سے نمایاں ہوتی پریشانی کو بھی بھانپ لیا تھا۔ لیکن پھر بھی حسب معمول انجان بنی ہوئی تھیں۔

اس کی نرم آواز پر جیسے سب ہی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مگر چونکہ اس نے مخاطب زیتون آپا کو کیا تھا اس لیے باقی سب نے اس بے ساختہ ہو جانے والی حرکت کے ازالے کے طور پر اپنی اپنی توجہ فوراً" ہی دوسری جانب مبذول کر لی' درخت کے گھنے ٹھنڈے سائے میں محفوظ و مامون ان ساری خوش بخت عورتوں کے سامنے وہ جلتی ہوئی دھوپ میں کھڑی تھی۔ درخت کا سایہ اس کے پیروں کو چھو رہا تھا۔ اور اپنے گھر سے یہاں تک آنے میں اس کے چہرے پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو چکے تھے۔

"انوار صاحب کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ انہیں ہاسپٹل لے کر جانا ہوگا۔ آپ اگر میرے ساتھ چلی چلیں تو۔" بہت عاجزی کے ساتھ کہتے ہوئے وہ انہیں پر امید نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

درخت کے سائے تلے ایک واضح جھنجھناہٹ پھیل گئی۔ زیتون آپا کو ایک پل کے لیے کچھ خیال سا تو آیا مگر دوسرے ہی لمحے انہوں نے اس بے کار کے بوجھ سے خود کو آزاد کر لیا۔

"میں تو نہیں چل سکتی خانم! میری بہو کی طبیعت خود ٹھیک نہیں ہے اور بچے بھی اسکول سے آنے والے ہیں۔" سب ہی کے لیے ان کا جواب توقع کے عین مطابق تھا۔ صرف رضوانہ ہی کو تھوڑی سی حیرت ہوئی' کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے انہوں نے بتایا تھا کہ آج نادیہ کڑھی چاول پکا رہی ہے۔

"تو پھر کوئی اور اگر چل سکے۔ بڑی مہربانی ہوگی۔"

خانم کے لہجے کی عاجزی مزید بڑھ گئی۔ چند لمحوں کے لیے تو وہ ساری ہی گڑبڑا سی گئیں۔ لاکھ ان سب نے خانم جیسی عورت کا اعلانیہ بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ پر منہ پر یوں صاف صاف منع کرنا ایک قطعی دوسری بات تھی۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے کوئی پیغام بہت ہنگامی سی رفتار میں ایک دوسرے کو منتقل ہوا۔

"دیکھو خانم! ہم میں سے کوئی بھی نہیں جا سکتا' گھر پر اس وقت مرد بھی نہیں ہیں' اور ان کی اجازت کے بنا ہم کہیں آتے جاتے بھی نہیں ہیں۔"

یہ مشترکہ جواب نازلی کی طرف سے آیا تھا۔

انکار کے ساتھ ساتھ اپنی فرماں برداری کے تذکرے کا مقصد' خانم کی گئی نافرمانی کو جتانا تھا۔ اس کا چہرہ تاریک سا پڑتا محسوس ہوا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میں کبھی اکیلی گئی بھی نہیں ہوں۔" اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

سب سے پیچھے کھڑی رضوانہ سے بالکل بھی نہ رہا گیا تو آخر بول ہی پڑی۔

"آپ ایسا کریں گیٹ پر سے سکھما کو ساتھ لے

لیں۔ ایسے موقع پر مرد دیسے بھی زیادہ اچھے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔"

خانم نے بڑی حیرت سے رضوانہ کی طرف دیکھا۔

وہاں کھڑی ساری عورتوں میں صرف رضوانہ ہی تھی جسے وہ سب سے کم جانتی تھی۔ کیونکہ اسے شادی ہو کر یہاں آئے ابھی بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔

"آپ فوراً" گھر جا کر انوار صاحب کو سنبھالیں میں گیٹ پر جا کر سکیما سے کہتی ہوں کہ وہ ٹیکسی لے کر آپ کے گھر پہنچے۔"

رضوانہ تیزی سے پیچھے سے نکل کر اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

اس حد درجہ پریشانی کے عالم میں اس بالکل غیر متوقع ہمدردی کی عجب تاثیر تھی۔

رضوانہ نے اس کے چہرے پر چمکتے ہوئے پسینے کے قطروں کے ساتھ اس کی آنکھوں میں اترتے ہوئے پانی کو بھی دیکھا۔

وہ متشکرانہ نظروں سے رضوانہ کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ گھر جائیں' سکیما بس ابھی ٹیکسی لے کر آجاتا ہے۔" رضوانہ جلدی سے کہہ کر تقریباً" دوڑتی ہوئی گیٹ کی طرف چلی گئی۔

خانم کی آنکھوں میں تیرتے آنسو' معلوم نہیں کیوں اسے اپنے گلے میں پھنستے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ جو معتوب تھی۔ گھر سے "بھاگ" کر شادی کرنے کا جرم کیے بیٹھی تھی۔ اور اب تا عمر کا تاوان اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔ اسی خانم کے ساتھ وہ بے ساختہ ہی دردکا رشتہ جوڑ بیٹھی تھی۔

اور ٹیکسی میں سکیما کے ساتھ انوار صاحب کو ہاسپٹل لے جاتی ہوئی خانم نے سوچا تھا۔

"یہ بھی کیا کم خوش قسمتی ہے کہ سرد مہری اور بے حسی کے اس دور میں کہیں نہ کہیں انسان بھی سانس لیتے ہیں۔"

رضوانہ کی جسارت کا سخت برا مانا گیا تھا۔

احاطے کی ساری بیبیوں کی "مشترکہ رائے" کے خلاف جا کر اس نے وہ غلطی کی تھی جو ناقابل معافی تھی۔ جس کے جو منہ میں آیا۔ اس نے کہا۔

"جب زیتون آپا نے ہم سب کو منع کر دیا تھا تو پھر تمہیں اس خیر خواہی کی ضرورت کیا تھی۔ آخر کو ہم ہی پیچھے پڑے۔"

زری کی اماں نے مزید ایک قدم اٹھایا اور اندر جا کر اس کی ساس سے بھی سارا قصہ کہہ سنایا۔

"کم از کم آپ سے تو پوچھ لیتی رضوانہ! بہوؤں پر کہیں زیب دیتا ہے اس طرح بچوں کی طرح احاطے میں بھاگے پھرنا۔"

رضوانہ کی ساس بھلی عورت تھیں' شروع سے الگ تھلگ رہنے کی عادی۔ کچھ سمجھیں کچھ نہ سمجھیں۔

"بالکل الگ ماحول سے آئی ہوئی لڑکی ہے۔ ہمارے طور طریقے سیکھنے میں وقت تو لگے گا۔"

"آپ نے بھی حد ہی کی۔ اپنے ماحول کی ہی کوئی لڑکی لے لی ہوتی تو یہ مسئلے نہ ہوتے۔" زری کی اماں نے دبے لفظوں میں انہیں ان کی غلطی کا بھی احساس دلایا۔ وہ پھر بھی کچھ ایسی متاثر نہیں ہوئیں۔

"کوئی بات نہیں' پریشانی میں کسی کے کام آنا تو بڑے ثواب کی بات ہے۔ میری رضوانہ بڑی نیک دل بچی ہے۔"

وہ الٹا مسرور ہوئیں۔

شام تک احاطے کے سارے گھروں میں یہی کھچڑی پکتی گئی۔ خانم کے بھائی کے گھر حسب معمول آج بھی ہلا پڑا ہوا تھا۔ وہ لوگ رات گئے ہی گھر لوٹتے تھے۔

شام کو سراج آیا تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی انوار صاحب کی علالت کا قصہ سن چکا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہاسپٹل سے آنے والا سکیما اب گیٹ پر کھڑا گھروں کو واپس لوٹتے مردوں کو دن بھر کی روداد بڑی ذمہ داری سے فردا" فردا" سنا رہا تھا۔

انوار صاحب کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی۔ مگر چونکہ بی پی بھی تھوڑا سا بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے احتیاطاً"

اسپتال میں داخل ہو گئے تھے۔

"حد ہے تم عورتوں کی سنگ دلی پر' وہ خانم بے چاری اکیلی اپنے چھوٹے سے بچے کو ساتھ لے کر وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ اور تم میں سے کسی ایک کو بھی اس کے ساتھ وہاں جانے کی توفیق نہیں ہوئی۔"

محض چائے کا ایک کپ پی کر' نازلی کو دس باتیں سناتے ہوئے وہ انوار صاحب کو دیکھنے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی طرح کی ہمدردیاں جب وہ خانم کے ساتھ کرنے لگتا تھا تو نازلی کو خانم کے ساتھ ساتھ سراج کے کردار پر بھی شک ہونے لگتا تھا۔ اس وقت بھی بہت چڑ کر بولی۔

"ہمیں بھی اللہ کو جان دینی ہے۔ خدا خوفی ہم میں بھی ہے۔ مگر آنکھوں دیکھی مکھی نگلی نہیں جاتی ہے۔ سراج صاحب! خانم نے دوسری شادی گھر سے بھاگ کر کی ہے۔ سارے احاطے کے لوگ جانتے ہیں۔ اب ایسی عورت سے روابط بڑھا کر ہمیں کل کو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے مسئلے نہیں کھڑے کرنے۔"

"خانم نے بھاگ کر شادی نہیں کی تھی۔ اس کی خالہ کے گھر پر ہوئی تھی نکاح کی تقریب۔ وہ بیوہ تھی۔ اور اپنے متعلق فیصلہ کرنے کی اجازت اسے مذہب نے جب دی ہے تو ہم تم کون ہوتے ہیں فتوے لگانے والے۔"

"ہوں! دور پرے کی خالہ۔" نازلی نے منہ بگاڑتے ہوئے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔

"محض خانہ پری کے لیے ان کے گھر کو استعمال کیا خانم نے۔ اپنا مقصد جو پورا کرنا تھا ورنہ سگے۔ بھائی کی عزت کا یوں تماشا بنانا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے سراج! لعنت ہے ایسے بھائی پر' کم بخت بیوی کا غلام۔"

سراج کو دیر ہو رہی تھی۔ دھڑ سے دروازہ بند کرتا ہوا' باہر نکل گیا۔

وہ کبھی جو کسی بات پر نازلی سے اتفاق کر لیتا۔ اسے یوں ہی تو تقدیر سے ہزار گلے نہیں تھے۔ کچھ دیر بچوں پر چیخ چلا کر اس کا غصہ کم ہو ہی جانا تھا۔ مگر آج اس نے اپنے اس "شوق" سے پرہیز کرنا ہی بہتر سمجھا کہ کرنے کے لیے چند ضروری کام اور بھی تھے۔

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہونے میں دو چار ہی دن باقی رہ گئے تھے۔ اور اس کا پکا ارادہ پہلے ہی ہفتے میں اپنے میکے' ملتان پہنچنے کا تھا۔

وہ ملتان جس کی گرم دوپہروں میں اس نے کبھی کراچی کے ٹھنڈے نم ساحلوں کے تصور باندھے تھے۔

اب وہی گرد آلود گرم دوپہریں' ایک ان چاہی کشش کے ساتھ اپنی طرف کھینچتی تھیں۔

بچوں کے کپڑوں پر ایک نگاہ ڈالنے کے لیے نازلی کپڑوں کی الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

انوار صاحب کچھ دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد بخیریت گھر واپس آ چکے تھے۔

محلے کے سارے ہی مرد ان کی عیادت کے لیے ہاسپٹل اور پھر گھر بھی ہو آئے تھے۔ جو بہت زیادہ بیویوں کے زیر اثر تھے انہوں نے بھی کم از کم ٹیلی فون تو کر ہی لیا تھا۔

رضوانہ کا میاں علیم' من موجی' لاپروا قسم کا تھا۔ اس کی زیادہ تر دوستیاں محلے سے باہر تھیں۔ یہاں اس کی کسی سے بھی سلام دعا سے زیادہ بات چیت نہیں ہو پائی تھی۔ سو انوار صاحب سے بھی بس اتنی ہی تھی۔

ان کی بیماری کی خبر کو اس نے سنا بھی اور تھوڑی سی تشویش کا اظہار بھی کیا۔ پھر اس کے بعد اپنی مصروفیت میں گھر کر اسے کچھ یاد بھی نہ رہا۔ حالانکہ رضوانہ کا بڑا دل چاہا کہ وہ کم از کم ایک بار تو انوار صاحب کو جا کر دیکھ سکے۔ مگر اس کے بار بار یاد دلانے پر بھی علیم فرصت نہیں نکال سکا۔

رضوانہ تھک ہار کر خاموش ہو بیٹھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنے کی عادت اس کے قدم قدم پر کام آتی تھی۔ پھر بھی دن میں جب کبھی اسے تھوڑی سی بھی فرصت میسر آتی' آنسو بھری وہ آنکھیں اور

لرزتے ہوئے ہونٹ یاد آکر دل میں ایک عجیب سی چبھن پیدا کرنے لگتے تھے۔

جانے کو تو وہ اکیلی بھی انوار صاحب کے گھر جاسکتی تھی۔ اگر محلے والوں کا ڈر نہ ہوتا۔ انہوں نے ابھی تک اس کی پہلی خطا ہی نہیں بخشی تھی۔ اب اگر اسے اکیلے وہاں جاتا دیکھ لیتے تو بلا تامل خانم کے ساتھ اس کا بھی بائیکاٹ کردیتے۔

بہرحال اسے رہنا تو ان سب کے ساتھ ہی تھا۔ اور وہ فطرتاً" کبھی بھی بے حد صلح جو قسم کی۔

پھر ایک دن یہ موقع اسے مل ہی گیا۔

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہوچکی تھیں۔

اور سال بھر میں یہی دو مہینے ایسے ہوتے تھے جو احاطے کی ساری سرگرمیاں ماند پڑجاتیں۔ اسکول میں پڑھنے والے بچوں کی اکثریت یا تو ننھیال میں تعطیلات گزارنے جاچکی تھی یا ویسے ہی گھومنے پھرنے۔

کچھ گھرانے اپنے عزیزوں میں شادیوں کے مختلف فنکشنز اٹینڈ کرنے بھی گئے ہوئے تھے۔

سارا سارا دن سناٹا چھایا رہنے لگا۔ پھیری لگانے والوں کی آمدورفت کا سلسلہ بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ کبھی کبھار اکا دکا کوئی آجاتا۔

اس روز بھی بہت انتظار کے بعد ایک سبزی والے کی آواز سن کر' رضوانہ باہر آئی تھی۔ نازلی کے چلے جانے سے خاص طور پر اس کا اپنا پڑوس بے حد خالی خالی محسوس ہورہا تھا کیونکہ محفل جمائے رکھنے کی سب سے زیادہ شوقین بھی وہی تھی۔ حالانکہ کبھی کبھی وہ بڑی ناقابل برداشت ہونے لگتی تھی۔ پھر بھی رضوانہ کی نگاہ جب بھی اس کے چھوٹے سے گیٹ پر لگے تالے پر پڑتی' دل اداس ہونے لگتا۔

اس وقت بھی باہر سناٹا تھا' رضوانہ کو جو جو سبزیاں درکار تھیں' وہ تلوائی گئی اور جب حساب کرکے پلٹ رہی تھی تو وہی مانوس سی آواز سنائی دی۔

"کیسی ہو رضوانہ؟" سامنے خانم کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"ارے آپ!" رضوانہ کو اسے دیکھ کر بڑا اچھا لگا۔

اس روز کی ٹوٹی بکھری حالت کے برعکس آج وہ بڑی مطمئن سی مسکراہٹ چہرے پر لیے ہوئے تھی۔

"کیسے ہیں انوار صاحب؟ میں تو انہیں پوچھنے بھی نہیں آسکی۔" رضوانہ کے لہجے سے شرمندگی جھلکنے لگی۔

"ارے نہیں' کوئی بات نہیں۔" خانم نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس کے کندھے کو چھوا۔ "اب تو وہ بالکل ٹھیک ہیں اس روز تو واقعی میں پریشان ہوگئی تھی اور اگر تم ساتھ نہ دیتیں تو پتا نہیں میں کتنی دیر اور پریشان ہوتی رہتی۔"

وہ بڑی محبت سے رضوانہ کو دیکھ رہی تھی۔ "میں تو اس وقت تمہارا شکریہ بھی ادا نہیں کرسکی۔ تمہاری وجہ سے مجھے بے حد سہارا ملا تھا۔"

"میں نے ایسا کیا کیا تھا' کچھ بھی تو نہیں۔"

رضوانہ حقیقتاً" شرمندہ ہورہی تھی۔

"اچھی بات تو یہ ہے کہ انوار صاحب اب بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ اندر آئیں نا۔ ایک کپ چائے ہی پی لیں۔"

اپنی نرم دلی کے باعث رضوانہ نے بے ساختہ ہی خانم کو دعوت بھی دے ڈالی۔ جو عرصہ ہوا اسے کسی کی طرف سے ملنے کی توقع بھی نہیں رہی تھی۔

خود رضوانہ بھی اندر ہی اندر تھوڑی پریشان بھی تھی۔

اگر جو خانم واقعی اندر آکر گئی تو یہ خبر چاروں طرف گردش کرے گی۔ اور پھر علیم اور ان کی امی' وہ دونوں نہ جانے کس طرح کا ردعمل ظاہر کریں گے۔ آخر کو ہیں تو انسان ہی' فطرتاً" کانوں کے کچے۔

مگر شاید خانم کو اسے کسی آزمائش میں ڈالنا گوارا نہ ہوا۔

"پھر کبھی سہی' ابھی تو میں جلدی میں ہوں' کچھ دوائیں اور دوسرا سامان لینا ہے۔" ایک ہلکی سی افسردگی گھلی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بڑی شائستگی سے منع کررہی تھی۔

رضوانہ نے سکون کا سانس لیا۔

سامنے والے دروازے سے زیتون آپا آکر کئی بار

جھانک چکی تھیں۔ رضوانہ کو پتہ تھا کہ ان کی ساری توجہ اسی طرف ہے۔ اور جب خانم کو خدا حافظ کہہ کر وہ گھر کے اندر چلی گئی تو کچھ ہی دیر بعد وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے ہاں پہنچ بھی گئیں۔

"انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ اچھوں کے ساتھ ملو گے تو لوگ اچھا ہی سمجھیں گے اور اگر ہر کس و ناکس کے ساتھ ربط ضبط بڑھایا تو سچی بات ہے کہ دیکھنے والے کی زبان کو پکڑنا ناممکن ہے۔"

"اور یہاں ہر ایک اپنا اپنا باٹ ترازو لے کر بیٹھا ہوا ہے۔ دوسروں کی اچھائی برائی کا حساب کتاب کرنے کے لیے۔" زیتون آپا کی چائے میں شکر گھولتے ہوئے وہ خود اندر تک تلخ ہونے لگی۔

"جو اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ ان کے بندوں نے کس آسانی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔" اس نے کڑھ کر سوچا۔

تب ہی اچانک کوئی باہر کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر اندر آیا۔

رضوانہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

باورچی خانے کی کھڑکی سے زیتون آپا کی بہو کو اندر آتے دیکھ کر وہ مارے گھبراہٹ کے فوراً" ہی خود بھی صحن میں آ کھڑی ہوئی۔

"رضوانہ!" نادیہ کی آواز میں کپکپاہٹ بے حد واضح تھی۔ "امی کو فوراً" گھر بھیج دو۔ لاہور سے فون آیا ہے۔"

رضوانہ نے تھوڑا سا مڑ کر اپنی ساس کے کمرے کی طرف دیکھا۔

زیتون آپا' ایک ہاتھ دل پر رکھتے ہوئے فوراً" ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"میری معصومہ!" ان کے لبوں سے بے اختیار ہی یہ دو الفاظ ادا ہوئے۔

☆ ☆ ☆

گرمیوں کی چھٹیوں کا اختتام ٹھیک برسات کے وسط میں ہوا۔

نازلی جب بچوں کو لے کر اسٹیشن پر اتری تو پانی ٹوٹ کر برس رہا تھا۔

ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ پانی کا شور ریلوے اسٹیشن کے مخصوص شور و غل پر حاوی ہو چکا تھا۔

اپنے کمپارٹمنٹ کی کھڑکی سے جب اس نے جھانک کر دیکھا تو آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

یہاں پر اترنا' پھر من مانے کرائے پر ٹیکسی کرنا اور پھر گھر تک بخیر و عافیت پہنچنا۔

نازلی کو سوچ کر ہی گھبراہٹ ہونے لگی۔ ملتان سے واپسی پر ہمیشہ کی طرح سامان پہلے سے دگنا ہو چکا تھا۔ سراج کو وہ اپنے آنے کی اطلاع دے چکی تھی پر اس دھواں دار موسم میں اس کے آنے کی امید ایک فیصد بھی نہیں تھی۔

مگر وہ وہاں موجود تھا اور اس کی موجودگی بڑی تسلی بخش تھی۔

قلی سے لے کر ٹیکسی والے تک وہ پیسوں کے معاملے میں جھگڑتا' پانی میں جان بوجھ کر چھپا چھپ کرتے ہوئے بچوں پر بگڑتے اور گھر آنے تک راستے میں وقفے وقفے سے نازلی پر اپنی جھنجلاہٹ اتارتے ہوئے وہ مستقل ہی بدمزاجی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ بیوی بچوں سے تقریباً" پونے دو ماہ کی دوری بھی اس کے مزاج پر کوئی اثر نہیں ڈال پائی تھی۔ بالکل ویسے کا ویسا۔ جیسا کہ وہ اسے چھوڑ کر گئی تھی۔

نازلی کے لیے حالانکہ کوئی بھی بات نئی نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی اسے کچھ بھی اتنا برا نہیں لگ رہا تھا' جتنا ہمیشہ لگتا تھا۔ سراج کی کسی بھی بات پر کا جواب دینے کے بجائے وہ اسی طرح بے نیاز سی بیٹھی رہی۔ جیسے یہ سب کچھ اسے نہیں کسی اور کو کہا جا رہا ہو۔

گھر تک پہنچتے پہنچتے خود سراج بھی بول بول کر شاید تھک چکا تھا۔ یا پھر نازلی کی مستقل خاموشی نے اسے کچھ احساس دلا ہی دیا تھا۔

گھر آ کر جب وہ لوگ سامان وغیرہ رکھ کر فارغ ہو چکے تو وہ خود ہی چائے بنا لایا۔

"کھانا وغیرہ پکانے کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ لا کر فریج میں رکھ دیا ہے۔ نکال کر گرم کر لینا۔" چائے کا کپ تھماتے ہوئے وہ اس بار نرمی سے کہہ رہا تھا۔

نازلی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سراج کی سختی کی طرح اس نے اس کے لہجے کی نرمی کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

سراج نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ وہ جب سے آئی ہے مستقل ہی کسی گہری سوچ میں ہے۔

"کیا بات ہے، ملتان میں تو سب خیریت ہے نا؟۔"

اس کا تجسس فطری طور پر وہیں گیا۔

"ہاں!" نازلی کسی خیال سے باہر آئی۔ اس نے سراج کی بات ڈھنگ سے سنی ہی نہیں تھی۔ اسے اپنی بات دہرانی پڑی۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔" بڑے سرسری سے انداز میں جواب دیتے ہوئے وہ فوراً ہی اپنے اصل مقصد کی طرف آئی۔ "میں ذرا نسرین آپا کے گھر ہو آؤں سراج۔!"

"اس بارش میں، باہر قدم رکھنا مشکل ہو رہا ہے اور تم کو آتے ہی محلے والوں کی یاد ستانی شروع ہو گئی ہے۔" اس پر پھر سے جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔ نازلی اپنی تکرار کی عادت شاید ملتان میں ہی بھول آئی تھی۔ چند لمحے چپ چاپ اس کی شکل دیکھنے کی پھر دھیرے سے بولی۔

"تم نے خود ہی تو فون پر بتایا تھا، بس اسی لیے جانا چاہ رہی ہوں، اور اب تو اس بات کو دن بھی بہت ہو گئے ہیں۔"

"ہو جاتے ہیں زندگی میں ایسے حادثے بھی، بس خدا کی مرضی ہے۔" سر کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے سراج کہہ رہا تھا۔ "میں منع نہیں کر رہا ہوں، چلی جانا تم ذرا پانی کو تو رکنے دو۔ اور وہ نگہت کے رشتے کا کیا ہوا، ان لوگوں کی طرف سے جواب آیا کہ نہیں۔؟"

نازلی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

نگہت اس کی چھوٹی بہن کا نام تھا۔ اس سے محض چند سال ہی چھوٹی تھی پر معلوم نہیں کیا رکاوٹ تھی جو ہر بار اس کا رشتہ طے ہوتے ہوتے رہ جاتا۔ پچھلے دنوں ایک بار پھر ایسا ہی ہوا تھا۔

"اب تو سب ہی لوگ بے حد پریشان ہیں، خاص طور پر میری اماں، تم یہاں کوئی اچھا لڑکا کیوں نہیں دیکھتے۔ سراج! کوشش تو کر کے دیکھو۔" وہاں کی تفصیل سنا کر وہ پر امید نظروں سے سراج کو دیکھنے لگی۔

موضوع خود بخود بدل گیا تھا۔ اور معلوم نہیں کتنے عرصے بعد وہ دونوں اتنے دوستانہ انداز میں بات چیت کر رہے تھے۔

"لڑکا تو سامنے ہی ہے ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مگر تمہیں پسند نہیں آئے گا۔ اسی لیے میں نے پہلے کبھی کہا ہی نہیں۔"

وہ کہتے ہوئے گردن کے نیچے تکیہ رکھ کر نیم دراز ہوا۔ اس بار نازلی کو اس کے اطمینان پر واقعی غصہ آنے لگا تھا۔

"کمال ہے ہم سب اس قدر پریشان ہیں اور تم مٹھی میں اس پریشانی کا حل دبائے بیٹھے ہو۔ بتاتے کیوں نہیں کون سا لڑکا ہے۔؟" وہ جان کو آنے لگی تو سراج کو بتانا ہی پڑا۔

"آذر!"

نازلی نے بہت حیرت سے یہ نام سنا۔

"آذر بیگ۔" سراج کہہ رہا تھا۔ "مجھ سے انوار صاحب نے کئی بار ذکر کیا ہے کہ میں آذر کے لیے کوئی مناسب لڑکی دیکھوں۔ اچھا لڑکا ہے، مناسب آمدنی ہے۔ تقریباً اکیلا ہی سمجھو۔ چند ایک دور پار کے رشتہ دار۔"

"بس۔۔۔ معاف کرو، مجھے نہیں سننی اس کی ہسٹری۔" نازلی نے جل کر اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"میں ہی بے وقوف ہوں جو اپنا رونا تمہارے سامنے لے بیٹھی۔ ایمان داری سے کہنا اگر جو نگہت تمہاری اپنی بہن ہوتی تو تم اتنی آسانی سے اس زمانے بھر کے لفنگے آذر کا رشتہ اس کے لیے پیش کر دیتے؟۔"

"بالکل کرتا' اور صرف رشتہ ہی پیش نہیں کرتا۔ بلکہ کب کی یہ شادی بھی ہو چکی ہوتی۔" سراج نے قطعیت کے ساتھ کہتے ہوئے دوسری طرف کروٹ بدل لی' اسی وقت برابر والے کمرے سے چھوٹی کے چیخ چیخ کر رونے کی آواز آنے لگی۔ تو وہ اسی طرح کروٹ بدلے ہوئے زور سے بولا۔

"اب جا کر دیکھو نا اسے' کیوں چیخ رہی ہے۔ دو مہینے اچھا بھلا سکون رہا گھر میں۔"

نازلی اتنی دیر میں کمرے کے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ بمشکل تمام ہی جواباً "خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روک پائی۔

☼ ☼ ☼

ہوا کچی مٹی کی مہک سارے میں اڑائے پھر رہی تھی۔ اس بار ایک ذرا سا تیز جھونکا آیا تو گل مہر کے پتوں پر اٹکے ہوئے کتنے ہی پانی کے قطرے نزدیک بیٹھی معصومہ پر آگرے۔

ایک ٹھنڈا خوش گوار احساس بھی اندر کی تپش کو ذرا سا بھی کم کرنے میں مددگار ثابت نہ ہو سکا۔ بے زاری کے ساتھ ہاتھوں اور دامن کو جھٹکتے ہوئے اس نے آسمان پر نگاہ ڈالی۔

وہاں اب بھی گہرا سرمئی رنگ غالب تھا۔ اور یہی نیم تاریک سا رنگ' وہاں اس کے لاہور والے گھر کے آنگن میں کیسا جادو سا جگاتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

بے اختیار ہی اسے وہ صبحیں اور شامیں یاد آنے لگیں۔ مگر اب شاید یادیں شمار کرنا بھی ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔

"قسمت کے لکھے کو تو پورا ہونا ہی ہوتا ہے' اپنی طرف سے چاہے ہم کتنی ہی کوشش کریں۔"

بڑی کراری سی آواز میں برآمدے میں حلقہ بنا کر بیٹھی خواتین میں سے کوئی ایک تقدیر کے اسرار و رموز بیان کر رہی تھی۔

وہ سب روزانہ ہی اکٹھی ہو کر بیٹھتیں اور ایسی ہی گفتگو فرماتیں۔

معصومہ پر چھائی افسردگی' خطرناک حدوں کو چھونے لگتی۔ ابھی کچھ دیر پہلے نازلی بھی اس کے پاس آکر بہت دیر بیٹھی رہی تھی۔ اور آتے ہی اسے گلے لگا کر چند آنسو بہانے کا فریضہ پورا کر کے وہ مستقل ہی مرحومہ کے "بدبخت شوہر اور سسرال والوں" کو بیٹھی بددعائیں دیتی رہی۔ جنہوں نے ایک ذرا سی بات پر اسے طلاق دے کر نکال باہر کیا تھا۔

یہ قصہ حالانکہ اسے سراج کی زبانی ملتان میں ہی سننے کو مل گیا تھا۔ مگر اس وقت معصومہ سے تفصیلات معلوم ہونے کی امید تھی جو پوری نہ ہو سکی۔

معصومہ یوں ہی بے حس سی بیٹھی رہی۔

وہ سارے اہم پوائنٹ جو وہ یہاں آنے کے ابتدائی دنوں میں رو رو کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے بار بار دہراتی رہی تھی' اب ایک ایک کر کے خود ہی بھولتی جا رہی تھی۔

"کاش اگر میں ذرا ذرا سی بات پر بحث کی عادت پر قابو پائے رکھتی تو شاید وہ بری گھڑی ٹل ہی جاتی۔" اسے رہ رہ کر اپنے میاں کی نرم خوئی یاد آئی۔

نازلی اس کی مسلسل چپ سے بور ہو کر واپس برآمدے میں جا بیٹھی تھی۔ جہاں وہ مخصوص گروپ براجمان تھا۔ آج کل احاطے میں جمع ہونا موقوف ہو چکا تھا۔ معصومہ عدت میں تھی۔ سو زیتون آپا کا دل بچی کو اکیلا چھوڑ کر باہر کی گپ شپ میں شریک ہونے کو نہیں مانتا تھا۔ اور چونکہ یہاں ان سب کا ایکا مثالی تھا۔ سو وہ لوگ بھی باہر کے بجائے یہاں ان کے گھر میں ہی اکٹھی ہو بیٹھتیں۔

شروع شروع میں تو معصومہ کو بھی ان ڈھیر ساری "محسنوں" کے سہارے غم بٹتا ہوا لگنے لگتا۔ مگر وقت سے بڑا سفاک منصف اور کون ہے۔

اس قلیل سے عرصے میں ہی اسے پیروں تلے بچھی زمین کے دلدلی ہونے کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا تھا۔

کچن سے چائے کی خوشبو آنے لگی تھی۔ برتنوں کی کھٹ پٹ بتا رہی تھی کہ نادیہ کچن میں ہی ہے۔ اس

وقت کی چائے سب کے لیے ہی بننے لگی تھی۔ یہ زیتون آپا کی ہدایت تھی۔

چار چھ ہی کپ بنانے ہوتے تھے۔ مگر نادیہ کو یہ روز کا جھنجھٹ اب کھلنے لگا تھا اور کھلنے کو تو اور بھی بہت کچھ تھا۔ مگر وہ چونکہ احاطے کی عورتوں پر اب تک اپنا ایک بہت اچھا تاثر چھوڑنے میں کامیاب رہی تھی۔ سو اس وقت بھی سارا غصہ دل میں دبائے، مسکرا مسکرا کر ان لوگوں کو چائے پیش کر رہی تھی۔ اور پھر اسی طرح مسکراتی ہوئی، صحن میں گل مہرے درخت کے ساتھ بیٹھی معصومہ کے پاس سے گزرتی ہوئی واپس کچن میں چلی گئی۔

معصومہ کا دل چاہا کہ اسے اپنے لیے چائے کا بھی کہہ دے۔ مگر پھر خاموش ہو رہی۔

تھوڑی ہی دیر بعد جب وہ دوبارہ باہر آئی تو زیتون آپا کو ہی خیال آیا۔

"معصومہ کو چائے نہیں دی تم نے نادیہ؟"

"اچھا، نہیں دی؟" وہ بہت انجان بن کر پوچھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں، شاید خیال نہیں رہا۔"

اور یہ خیال اب اسے اکثر ہی نہیں رہتا تھا۔ معصومہ جانتی تھی۔

"اب تو ختم ہو گئی ہے، بنا دوں معصومہ؟"

ساری محلے والیوں نے بڑے رشک سے زیتون آپا کو دیکھا۔ کیسی خدمت گزار بہو انہیں ملی تھی۔

"نہیں، رہنے دو۔" معصومہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ایک دم ہی اسے بہت زور کا غصہ آنے لگا تھا نادیہ پر، برآمدے میں بیٹھی ان ساری مخلص خواتین، پر اور شاید خود پر بھی۔

"ٹھک" سے کمرے کا دروازہ بند ہونے پر سب ہی نے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"بس یوں ہی ذرا ذرا سی بات پر گھبرانے لگتی ہے۔ کیا کرے۔ صدمہ بھی تو اتنا بڑا جھیلا ہے۔" زیتون آپا شرمندہ سی ہو کر صفائی پیش کرنے لگیں۔ مگر آج ان کی ہاں میں ہاں ملانے والوں کی آواز بہت مدھم تھی۔

سب کی نگاہ نادیہ پر تھی۔ جو اب صحن میں واشنگ مشین لگا رہی تھی۔ کپڑوں کا ایک ڈھیر تھا۔ جو میلے کپڑوں کے ریک سے برآمد ہو رہا تھا۔

اس روز زیتون آپا کے گھر سے واپس جاتے ہوئے سب ہی نے باہر نکل کر ایک ہی بات کی۔

"معصومہ کو کچھ تو نادیہ کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ لاکھ غم سہی، مگر انسان کو دوسرے کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔"

وہ بے چاری تو پس کر رہ گئی ہے۔ ان کے گھر میں۔

سامنے سے خانم جاتی ہوئی دکھائی دی۔ اپنے بچے کی انگلی پکڑے وہ گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ مگر وہ سب اپنی باتوں میں اتنی مصروف تھیں کہ انہوں نے خانم کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔ معصومہ کے لیے دلوں اور باتوں دونوں ہی میں ہمدردی کا رنگ بڑے غیر محسوس سے انداز میں ہلکا پڑنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

بہت سارے دن تیزی سے گزرتے چلے گئے۔ معصومہ کی عدت ختم ہوئے بھی کئی مہینے گزر چکے تھے۔ اور اس کی طلاق کے تلخ واقعہ کو بھی "اللہ کی مرضی" کہہ کر سب ہی اپنی اپنی ہمدردیاں واپس سمیٹ چکے تھے۔

احاطے میں اب زیتون آپا سے زیادہ نادیہ نظر آتی تھی۔ کبھی سبزی لیتے ہوئے، کبھی کوئی پرانی شے ٹھیک کرواتے ہوئے، کبھی گھر کے کسی اور کام کے سلسلے میں۔ زیتون آپا غیر محسوس طور پر گھر ہی کی ہوتی جا رہی تھیں۔

"اب تو امی کو معصومہ کی دل جوئی سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ باہر کے سارے کام بھی مجھے ہی دیکھنے پڑتے ہیں۔" بچے کے اسکول بیگ کی سلائی کرواتے ہوئے بھی اسے آدھا گھنٹہ تو ہو ہی گیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی مصروفیات مستقل جتائے جا رہی تھی۔

زری کی امی اور نازلی دونوں ہی کو اس سے بے حد ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

"بہت ہی غلط رویہ ہے تمہاری ساس کا، بہو کو بھی

بنی کی جگہ ہی سمجھنا چاہیے۔ تم اپنے میاں کو کیوں نہیں سمجھتیں۔ اسے زیتون آپا سے بات کرنا چاہیے۔ تم کوئی غلام تھوڑی ہو سارے گھر کی۔"

نازلی نے پرجوش ہو کر مشورہ دیا۔ معصومہ کی طلاق کی خبر سن کر وہ جتنی اپ سیٹ سی ہو کر ملتان سے لوٹی تھی۔ اب وہ کیفیت بھی بھولی بسری سی بات تھی۔ حالانکہ اس وقت اس نے خود آئندہ سراج کے ساتھ کبھی بھی بحث نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر اس فیصلے کی عمر بھی اتنی ہی تھی۔ جتنی عام طور پر اس طرح کے فیصلوں کی ہوتی ہے۔ ایک بار پھر وہی وہ تھی۔ وہی سراج کی بے جا زیادتی اور وہی نہ ختم ہونے والی تکرار۔

"ایسی چپ چاپ خدمت گزاریوں سے کچھ حاصل نہیں ہونا۔ میری بات یاد رکھنا' اپنے میاں کو قابو میں کرو سمجھیں۔"

نادیہ کے چہرے کی معصومیت اور بھی بڑھ گئی۔ تب ہی دروازہ کھول کر معصومہ نے باہر جھانک کر اسے آواز دی۔

"بھابھی! آپ کا فون ہے' آکر سن لیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ فوراً" ہی واپس پلٹ گئی۔

"دیکھا' تھوڑی دیر کے لیے میں باہر رک گئی تو فوراً" ہی بلاوا آگیا۔ کام بھی تو آخر اتنے پڑے ہیں کرے گا کون۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر گھر کی طرف چل پڑی۔

معصومہ روہانی پکار رہی تھی۔

نادیہ نے کچن پر ایک نگاہ ڈالی۔ سالن کا چولہا بند تھا اور برتن بھی دھلے ہوئے رکھے تھے۔ وہ اطمینان کا سانس لیتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ جہاں ٹیلی فون کا ایکس ٹینشن لگا ہوا تھا۔ معصومہ کا چار سالہ بیٹا' زیتون آپا کی چارپائی پر ان کے قریب بیٹھا' ہل ہل کر ٹیبلز یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لاہور سے آنے کے بعد اب تک اس کا اسکول میں داخلہ نہیں ہو سکا تھا۔

معصومہ کو اس کی بھی فکر تھی کئی بار ماں سے کہہ چکی تھی کہ بھائی سے کہہ کر اس کا داخلہ بھی وہیں کرا دیں۔ جہاں ان کے دونوں بچے پڑھتے ہیں۔ کہ صبح ہی وین والا آکر بچوں کو لے جاتا تھا۔

"بھائی بھول جاتے ہیں' آپ انہیں یاد دہانی کروائیں امی! اور زیادہ وقت گزر گیا تو اس کا پڑھنے سے بالکل ہی دل اچاٹ ہو جائے گا۔" کام سے فارغ ہو کر وہ ان کے پاس آبیٹھی۔

زیتون آپا نے ایک خاموش سی نگاہ معصومہ پر ڈالی۔ اس کے گیسو ملگجے سے ہو رہے تھے۔ بال اور چہرہ خشک۔ خود پر توجہ دینا وہ کب کا چھوڑ چکی تھی۔

زیتون آپا کو معصومہ کے وجود پر چھایا سونا پن دیکھ کر دن میں کتنی ہی بار ہول اٹھتا۔

"اچھا بھلا خوشی خوشی جانے لگا تھا اسکول' وہاں لاہور میں صبح ہی اٹھ کر۔" کچھ کہتے کہتے وہ رک سی گئی۔

لاہور کا ذکر اسی طرح بے ساختہ اس کی باتوں میں آجاتا تھا۔

زیتون آپا اور بھی رنجیدہ ہونے لگیں۔

بات اس نہج پر ختم ہوئی تھی کہ تلافی کسی طور بھی ممکن نہ تھی۔

"اتنی پہاڑ سی زندگی کس آسرے پر کٹے گی آخر۔" انہوں نے دل ہی دل میں معصومہ کی عمر کا حساب لگایا۔ ذہن کسی ایک نکتہ پر آکر بار بار اٹک جاتا تھا۔

"کاش کوئی بھلا آدمی مل جائے تو۔۔۔"

رات کو جب نادیہ اور اس کا میاں اشرف ان کے پاس آکر بیٹھے ہوئے تھے تو انہیں معصومہ کی بات یاد آگئی۔ اس کے بچے کا اسکول میں داخلہ ہنوز حل طلب تھا۔

انہوں نے آج ذرا زیادہ زور دے کر اشرف کی توجہ اس طرف دلائی تو وہ چند لمحوں کے لیے تو کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"معصومہ کا بچہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ابھی سے اس کی تعلیم پر اتنا زیادہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے' جہاں میرے بچے جاتے ہیں وہاں کی تو فیس بھی زیادہ ہے اور وین کا کرایہ الگ'

ابھی چند سال اسے یہیں کہیں قریب میں داخل کروا دیجیے۔"

چند لمحوں بعد وہ ایک سوچا سمجھا بیان دے رہا تھا۔ اس کی بیوی نے بھی میاں کو بڑی مطمئن سی نگاہوں سے دیکھ کر رسالہ اٹھا کر خود کو مزید بے نیاز ظاہر کرنا چاہا۔

زیتون آپا کو بے حد برا لگا۔

احاطے میں صرف ایک ہی اسکول تھا' کسی نیم خواندہ استانی کے زیر انتظام' تین کمروں پر مشتمل۔ انہوں نے صاف صاف خفگی کا اظہار بھی کر دیا۔

"سوچ سمجھ کر تو چلنا ہی پڑے گا ای! ویسے بھی اب تو زندگی بھر کے لیے معصومہ کے بچے کا بوجھ ہم پر آپڑا ہے۔ اور صرف پڑھانا ہی تو نہیں۔ کھانا پینا' کپڑے ہمارے سر تو یہ ایک اضافی خرچہ آپڑا ہے۔"

چھوٹے سے برآمدے میں بید کی نیم ثابت کرسی پر بیٹھی معصومہ نے بڑے بھائی کو صاف کہتے ہوئے سنا۔

زیتون آپا نے نیچی آواز میں شاید اسے کچھ ایسا کہا تھا جو اسے برا لگا تھا۔ وہ اب پہلے سے بھی اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"ایک تو آپ لوگوں نے معصومہ کا مہر بھی انتہائی کم رکھا۔ صرف پندرہ ہزار' معلوم نہیں کس عقل مند کا مشورہ تھا یہ' جب ہی تو اتنی آسانی سے انہوں نے اسے چلتا کیا۔ اس کے پاس تو اتنا بھی نہیں ہے کہ خود اپنے بل پر چھ مہینے بھی گزارا کر سکے۔" معصومہ کو اپنا چہرہ گیلا ہوتا محسوس ہوا تو ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اور سامنے ڈرائنگ روم کے ادھ کھلے دروازے میں سے گزر کر اندر چلی گئی۔

"زندگی کس وقت کیا کروٹ بدل جائے۔ سان و گمان نہیں ہوتا۔" معصومہ نے سوچا۔ "ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ جب وہ کس بے فکری سے لاہور کے بازاروں میں پیسے اڑایا کرتی تھی اور بھر بھر کر امی اور بھابھی کے لیے سوغاتیں بھیجا کرتی تھی۔

اگلی صبح معلوم نہیں بخار تھا یا یوں ہی طبیعت ست تھی۔ اٹھنے کی ہمت نہ ہونے کے باوجود وہ ناشتہ بنانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

صبح کا مخصوص ہنگامہ گھر میں مچا ہوا تھا۔

معصومہ' بچوں کے لنچ باکس تیار کر رہی تھی جب اشرف کسی کام سے کچن میں آیا۔

"اچھا کرتی ہو' جو تھوڑا بہت اپنی بھابھی کا ہاتھ بٹا دیتی ہو۔ وہ بے چاری تو اس گھر میں مشین بن کر رہ گئی ہے۔"

وہ ہر بات میں اپنی بیوی کے لیے ستائش کا پہلو نمایاں رکھتا تھا۔ معصومہ خاموشی سے اپنا کام کیے گئی۔

دس بجے تک وہ بیشتر کام نمٹا کر اپنے بچے کو تیار کر چکی تھی۔ زیتون آپا منتظر تھیں کہ وہ اس سے بچے کے داخلے کے بارے میں کوئی بات کرے گی۔ مگر اس نے اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ اور خود وہ تو اپنے اندر اتنی ہمت بھی نہیں پا رہی تھیں کہ اسے اشرف کا دیا ہوا صاف جواب سنا سکتیں۔

"امی! میں ابھی آتی ہوں تھوڑی دیر میں۔"

معصومہ بیٹے کی انگلی پکڑے کہیں جانے کے لیے کھڑی تھی۔ اور محض نسبتاً بہتر کپڑے پہن کر بالوں کو برش کر لینے سے ہی اس کی دل کشی اپنا تاثر جما رہی تھی۔ ان کی ہیرے جیسی بیٹی کو کس ناقدری کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا تھا۔

زیتون آپا کو اپنے دل پر کئی آنسو ایک ساتھ گرتے ہوئے محسوس ہوئے۔

اب تک انہیں پکا یقین ہو چکا تھا کہ معصومہ کی خوشیوں بھری زندگی کو کوئی بری نظر لگی ہے۔ جلنے والوں کی کون سی کمی ہے۔ خود وہ جو یہاں بیٹھ کر دن رات معصومہ کی راج دھانی کے قصے لوگوں کو سنایا کرتی تھیں اور ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر اس کے بھیجے ہوئے تحائف فخریہ طور پر دکھایا کرتی تھیں۔ ایسی باتیں کوئی دکھائی اور سنائی جاتی ہیں۔ احاطے میں رہنے والیوں کے خلاف ان کے دل میں خفگی بڑھتی جا رہی تھی۔

احاطے میں ابھی بھی معصومہ کے ساتھ کی چند بچپن کی سہیلیاں رہ رہی تھیں جو چند بار آکر اسے

اپنے گھر آنے کا کہہ کر گئی تھیں۔ زیتون آپا کو یہی خیال گزرا کہ شاید وہ ان کی طرف جانے کا پروگرام بنا بیٹھی ہے تو وہ اطمینان سے پوچھنے لگیں۔

"کسی سہیلی کی طرف جا رہی ہو۔ اچھا ہے تھوڑا بہت گھر سے بھی نکلا کرو۔ میں تو کب سے کہہ رہی ہوں۔"

"نہیں امی! اسعد کا داخلہ کرانے جا رہی ہوں۔ یہیں احاطے والے اسکول میں۔ میں نے سوچا ابھی تو چھوٹا ہے' یہیں قریب میں جایا کرے گا تو مجھے بھی اطمینان رہا کرے گا۔"

وہ ان سے کہتے ہوئے فوراً" ہی دروازے کی طرف مڑ گئی۔ زیتون آپا کے حلق میں الفاظ اٹکے ہی رہ گئے۔

"اچھا ہے' جو معصومہ نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس کا بھی بھرم رہ گیا اور میرا بھی۔"

خود کو بڑا بے بس سا محسوس کرتے ہوئے انہوں نے تکیے سے ٹیک لگالی۔

"امی آج کیا پکانا ہے۔ بتا دیجئے۔" کلثومہ سر پر کھڑی فرماں برداری سے پوچھ رہی تھی۔

"جو مرضی ہو۔" رکھائی سے کہتے ہوئے انہوں نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

"تنگ دلی اور منافقت کو کس کامیابی کے ساتھ چھپا کر رکھا جاتا ہے" اس کا تجربہ بھی انہیں اسی عرصے میں ہوا تھا۔

معصومہ بچے کا داخلہ کروا کر نکلی تو پہلے سے زیادہ مضمحل تھی۔ رنگ اڑی دیواروں والے تاریک سے کمرے' خستہ بنچیں اور کرخت چہرے والی استانی جو عادتاً" ہی چیخ چیخ کر بول رہی تھی۔ خود سعد بھی بہت سہما ہوا تھا۔

"میں اس اسکول میں نہیں پڑھوں گا' اس میں تو پلے ایریا بھی نہیں ہے۔ میرا لاہور والا اسکول کتنا اچھا تھا' ہم واپس اپنے گھر چلیں امی۔؟"

معصومہ کو خود پر قابو پانا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ تب ہی کسی کی آواز پر اسے رکنا پڑا۔

"کیسی ہو تم؟" خانم قریب چلی آئی۔ "اور یہ بیٹا ہے تمہارا' ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔" سعد کو پیار کرتے ہوئے اس نے کہا۔

معصومہ دھیرے سے مسکرا دی۔ خانم اس سے چند سال ہی بڑی تھی اور بچپن سے لے کر شادی ہو جانے تک وہ اس کی اچھی دوستوں میں شامل تھی مگر جب سے اس نے گھر والوں کی مخالفت مول لے کر انوار صاحب سے شادی کی تھی زیتون آپا نے معصومہ پر بھی خانم سے ملنے پر کڑی پابندی عائد کر دی تھی۔ یہ سر راہ ملاقات ایک اتفاق تھی۔

وہ یقیناً" معصومہ پر گزرے حادثے سے واقف تھی مگر اس تکلیف دہ موضوع سے بچ کر گزرتے ہوئے وہ اس سے یہاں اس اسکول میں آنے کا سبب پوچھنے لگی۔ تو معصومہ کو بتانا پڑا۔

"اصل میں ابھی چھوٹا ہے تو اچھا ہے کہ کہیں قریب میں ہی ہے۔"

وہ جلدی سے بات ختم کرنا چاہ رہی تھی۔ خانم کے ساتھ اسے کھڑا دیکھ کر کتنی باتیں بنائی جا سکتی ہیں اس کا اسے اچھی طرح اندازہ تھا۔

خانم نے خاموشی سے اس کی بات سنی مگر ایک بے حد رنج بھری بے یقینی جو اس کی آنکھوں میں ابھرنے لگی تھی' صاف بتاتی تھی کہ اسے معصومہ کی کسی بھی بات پر یقین نہیں آیا ہے۔

"یہاں قریب میں ہی ایک بہت اچھا اسکول کھلا ہے معصومہ! بالکل واکنگ ڈسٹنس پر۔ میرا بیٹا بھی وہیں پڑھ رہا ہے' تم اسے ایک بار دیکھ لو' چاہو تو ابھی چلتے ہیں۔ یہ باہر جو مین روڈ ہے' اسے کراس کر کے جو سامنے والی گلی آتی ہے نا وہیں۔"

"فی الحال تو یہیں ٹھیک ہے۔ کوئی ایسا برا بھی نہیں ہے یہ اسکول اور پھر ابھی ابھی تو میں نے ایڈمیشن کروایا ہے یہاں۔"

تیزی سے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے معصومہ کو اپنے الفاظ خود کھوکھلے سے لگے مگر وہ جلد سے جلد اس کے پاس سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ سو "خدا حافظ" کہتے ہوئے جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

گھر آکر بھی اس کا کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ بار بار یہ خیال آرہا کہ خانم کے بتائے ہوئے اسکول کو ایک بار جا کر دیکھ ہی آئے تو کیا برا ہے۔

دوپہر کو اس نے زیتون آپا سے بھی اس خیال کا اظہار کردیا تو وہ ایک دم ہی چونک کر سیدھی ہو بیٹھیں۔

"خانم کے ساتھ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے' اسے تو کوئی اچھی نظر سے دیکھتا نہیں ہے۔ تمہارے لیے بھی خدانخواستہ کسی نے کچھ ایسا ویسا کہہ دیا تو۔" معصومہ کی نگاہ جیسے زمین میں گڑ گئی۔

دل پر پڑا بوجھ اور بھی بڑھتا جارہا تھا۔ سعد نے احاطے والے اسکول میں جانا شروع کردیا تھا۔ بظاہر سب ہی کچھ ٹھیک تھا۔

سب سے زیادہ اشرف اور نادیہ مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ شام کو نادیہ اپنے بچوں کو ٹہلنے پر لے جاتی تو آوازیں دے دے کر سعد کو بھی بلاتی۔ اسے معصومہ نے ابھی تک باہر کی چیزیں کھانے کی عادت نہیں ڈالی تھی اور پھر وہ چھوٹا بہت تھا۔ کئی آوازوں پر شرماتا جھجکتا ہوا بھی آتا' بھی نہیں۔

نادیہ کا مقصد بہرحال اس دوران پورا ہو ہی جاتا تھا۔

"نادیہ اپنے بچوں اور معصومہ کے بیٹے میں کوئی فرق نہیں رکھتی۔"

سب کی زبان پر ایک ہی جملہ ہوتا۔

اب وہ اٹھتے بیٹھتے ملنے جلنے والیوں سے معصومہ کے لیے کسی مناسب رشتے کا بھی ذکر کرنے لگی تھی۔

"ثواب کا کام ہے' جتنی جلدی ہوجائے تو اچھا ہے۔ زیادہ دن بیٹھی رہی تو ڈر لگتا ہے کوئی ایسی ویسی بات نہ بن جائے۔ زمانہ بہت برا ہے۔"

محلے کے ایک گھر میں محفل میلاد تھی۔ اپنے اور کل مومنین کے گناہ صغیرہ' کبیرہ بخشے جانے کی دعا کرنے کے فوراً بعد ہی ساری عورتیں ٹولیوں میں بیٹھ کر پھر سے اسی من پسند مشغلے میں مصروف تھیں۔

آج زیتون آپا بھی ساتھ آئی ہوئی تھیں اور تھوڑے سے ہی فاصلے پر اپنی ہم عمر خواتین کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

"آج کل تو بہت مشکل ہے بھائی! اچھی اچھی لڑکیاں کنواری بیٹھی ہیں۔ طلاق یافتہ کے لیے تو کون تیار ہوگا۔" نازی کو ملتان میں بیٹھی نگہت کا دکھ ستانے لگا۔

"ہمیں کون سا اب کوئی بہت خوبیوں والا رشتہ درکار ہے معصومہ کے لیے۔ بس شریف آدمی ہو' چاہے بیوی مرچکی ہو یا طلاق دے چکا ہو' کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

اپنی ساس کی موجودگی کے خیال سے ہی شاید وہ نیچی آواز میں بول رہی تھی۔

ہر ایک کو اس کی بات معقول لگ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ معصومہ بھی ایک بچے کی ماں تھی' اس کے لیے اس سے بہتر کا اور کیا تصور کیا جاسکتا تھا۔

وہیں بیٹھے بیٹھے زری کی امی نے ایک بہت مناسب رشتہ ڈھونڈ بھی لیا۔

ان کے کوئی رشتے کے بھائی تھے جن کی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا۔ ریٹائرڈ زندگی گزار رہے تھے اور دونوں شادی شدہ بیٹے کینیڈا میں سیٹل تھے۔

"ایک اور انوار صاحب!" ان میں سے کسی نے ہنس کر بڑی سفاک صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"ہم یہ کام کوئی چھپ چھپا کر تھوڑی کریں گے' چار لوگوں کے سامنے کیا جائے گا۔" نادیہ نے انوار صاحب کی مثال دینے والی کو فوراً ہی ٹوکا۔ خانم کا گناہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اسی طرح یاد کیا جاتا تھا۔

سب کچھ بھول کر زری کی امی اور نادیہ تفصیلات طے کرنے لگیں۔

رضوانہ کو بھی زری کی امی اپنے ساتھ ساتھ ہی رکھتی تھیں۔ حالانکہ جب سے سب کو اس کا خانم کی طرف ہلکا سا جھکاؤ محسوس ہوا تھا' وہ اس سے تھوڑی سی کھنچی کھنچی رہنے لگی تھیں پھر بھی محلے داری کی مروت بھی آخر کوئی چیز تھی۔

"معصومہ ابھی کم عمر ہے' آپ لوگ سوچ سمجھ کر

فیصلہ کیجیے گا۔ بے چاری پہلے ہی ایک بڑا دکھ اٹھا کر بیٹھی ہے۔"

رضوانہ سے آخر کار رہا نہ گیا تو کہہ ہی گئی۔

نادیہ نے ایک گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے بمشکل ہی رضوانہ کو کچھ کہنے سے خود کو باز رکھا ہے پھر زری کی امی کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے جتانے والے انداز میں بولی۔

"میں رات کو آپ کے گھر آؤں گی آنٹی! یہ باتیں یہاں کرنے والی ہیں بھی نہیں۔"

گھر والے کھانا لگ جانے کی اطلاع دے رہے تھے' عورتوں کو ذرا دیر کے لیے ہر دوسرا موضوع بھول گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حالانکہ اندازہ بھی تھا پھر بھی اس نے ایک بار پھر اپنا پرس کھول کر سارے خانے چیک کر ڈالے۔ مگر وہی مایوسی۔

بڑی امید کے ساتھ الماری کی دراز میں بچھے ہوئے اخباروں تک کے نیچے ہاتھ پھیر کر دیکھ لیا مگر اب اس کے پاس اتنے پیسے ہی کب تھے کہ رکھ کر بھولنے کا سوال پیدا ہوتا۔

یہ ساری گزرے زمانے کی باتیں تھیں۔ باہر سے اشرف اور نادیہ کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ صبح سویرے وہ ضرور کسی نہ کسی خرچ کا تذکرہ چھیڑے رکھتی۔

"تم فکر مت کرو' آج کچھ نہ کچھ انتظام کر کے ہی آؤں گا۔" اشرف کی تسلی دیتی آواز معصومہ کو بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس نے سامنے کھڑے سعد کو جو بڑی امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو سعد بیٹا! تم آج اپنی مس سے کہنا کہ۔۔۔" وہ اسے سمجھانا چاہ رہی تھی مگر وہ رونے لگا۔

"اگر آپ مجھے پیسے نہیں دیں گی تو میں اسکول نہیں جاؤں گا۔ ٹیچر بہت انسلٹ کرتی ہیں۔ کل بھی انہوں نے میرے دونوں ہاتھوں پر اسکیل مارے تھے اتنے زور زور سے۔" اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے، مستقل بولے جا رہا تھا۔

معصومہ کو پتہ تھا کہ سعد کے اسکول میں بات بات پر تھپڑ مارنا معمول کی بات ہے مگر کل جو سالانہ فنکشن کے سلسلے میں پیسے نہ لانے پر سعد کی پٹائی ہوئی تھی۔ وہ بڑی تکلیف دہ تھی۔

رات کو وہ سوتے میں بھی وہ روتا رہا تھا اور خود معصومہ؟

"چلو' میں خود چل کر تمہاری ٹیچر سے بات کرتی ہوں۔" وہ اسے بہلا کر اسکول کے گیٹ تک لے ہی آئی۔

ابھی اسمبلی کے لیے بیل نہیں ہوئی تھی اور ہیڈ مسٹریس صاحبہ جو خود بھی اسکول کی اوپری منزل میں رہائش پذیر تھیں گیٹ کے باہر کھڑی بچوں کی چیکنگ میں مصروف تھیں۔

"میری ایک چھوٹی سی درخواست ہے آپ سے۔۔۔" بڑی عاجزی کے ساتھ اس نے انہیں اپنی وقتی مجبوری سے آگاہ کرنا شروع کیا تو وہ بڑے ہی اکتائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

معصومہ کو اپنی بات پوری کرنا مشکل ہو گئی۔ ٹھیک کسی پیشہ ور چندہ جمع کرنے والے کی طرح وہ ان کے سامنے کھڑی ان کے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے بھول کر کسی "کام کی آسامی" کے ساتھ خوش اخلاقی برتنے لگیں۔ مگر ابھی تک انہوں نے سعد کو بھی کلاس میں جانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ وہ معصومہ کا ہاتھ پکڑے وہیں کھڑا تھا۔ حالانکہ اس کے آتے جاتے دوست اسے بلاتے بھی رہے۔

معصومہ صبر کے ساتھ کھڑی ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی اور جب وہ فارغ ہو کر مڑیں تو اسے اب تک کھڑا دیکھ کر بری طرح جھنجلا گئیں۔

"نہیں بھئی نہیں' ہمارے ہاں اس طرح نہیں چل سکتا۔ آپ لوگوں کو بس اپنے پیسے بچانے کی فکر رہتی ہے ہر وقت۔ جیسے بھی ہو' بس مفت میں کام چلتے رہنا

چاہیے۔ میں خوب سمجھتی ہوں ایسے ہتھکنڈوں کو۔ لے جائیں واپس اپنے بچے کو۔ جب پیسے ہوں تب لے کر آئیے گا۔ ہم نے کوئی رفاہی ادارہ تھوڑی کھول رکھا ہے۔"

بالکل نچلی سطح پر کھلے غیر رجسٹرڈ اسکولوں میں روا رکھا جانے والا عام رویہ۔

معصومہ دفعتاً ہی بچے کو کھینچتی ہوئی وہاں سے واپس مڑ گئی۔

"ارے بات تو سنیے، بچے کو چھوڑ جائیں۔ پیسے کل ہی بھجوا دیجیے گا۔"

ہیڈ مسٹریس صاحبہ کو صبح ہی صبح ہونے والے نقصان کا خیال آیا تو وہ پیچھے سے آواز دے کر اسے روکنے لگیں۔ لیکن اصل میں معصومہ کے اس ردعمل کی توقع تھی ہی نہیں۔ یہاں اکثریت ان ہی بچوں کی تھی جن کے والدین بے حد معمولی فیس دینے کی سکت رکھتے تھے، سو وہ لوگ ان کی بری بھلی سن بھی لیتے تھے۔

"سنیے، سنیے۔"

معصومہ کو ان کی آواز اپنے پیچھے سنائی دیتی رہی مگر اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ جتنا تیز ممکن تھا، وہ چل رہی تھی۔ سعد بے چارے کو اس کا ساتھ دینے کے لیے بھاگنا پڑ رہا تھا مگر معصومہ کو اس وقت یہ بھی دھیان نہیں آ رہا تھا۔ بار بار آنکھوں کے سامنے منظر دھندلانے لگتا۔ تب ہی اس دھندلاتے منظر میں اس نے ایک دراز قد شخص کو قریب آتے دیکھا۔

"السلام علیکم انکل!"

سعد نے بہت پرجوش ہو کر سلام کیا تھا۔ وہ چند منٹ کے لیے رکنا بھی چاہتا تھا، مگر معصومہ اس وقت رکنے کے موڈ میں بھی قطعی نہیں تھی۔

"تیز چلو سعد۔" بھیگی ہوئی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ سعد کو کھینچتے ہوئے آگے بڑھتی چلی گئی۔

"ہم وہاں کے گارڈن میں کبھی کبھی کھیلنے جاتے ہیں امی۔" اس نے پیچھے مڑ کر دور اشارہ کیا۔ معصومہ نے اس بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ اس وقت کچھ بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

محض وہ تین سو روپوں کی خاطر۔ ایک بالکل ہی گئی گزری عورت کے ہاتھوں وہ اس طرح ذلیل ہو کر رہ جائے گی، گھر سے نکلتے ہوئے اسے یہ خیال تک نہ تھا۔

ان لال ہرے نیلے نوٹوں کو لاپروائی سے خرچ کرتے ہوئے اس نے جس خوشی اور ایکسائٹمنٹ کو ہمیشہ محسوس کیا تھا، اس میں ایسے کسی وقت کا بھلا وہم بھی کب ستاتا تھا۔

"تو پھر سب ٹھیک ہی ہے جو طاہر اور زری کی اماں مل کر رہے جا رہی ہیں، تو وہ میری بھلائی کی خاطر۔"

پوری آسانی سے اس نے ان سب کو "باعزت بری" قرار دے دیا جن سے وہ بے حد خفا تھی۔

"اور پھر نہیں تو پیسہ تو نوٹوں سے بھرا ہی رہا کرے گا۔ زندگی میں آئی ہر چھوٹی بڑی مشکل کا قفل کھولنے کے لیے۔" ان کٹھن لمحوں میں اس نے ایک بالکل سستی سی شکایت کے احساس کو دبانے کی کوشش کی جس کے بعد سے اس وہ مزید خود اپنی ہی نگاہوں میں مستقل گرنے کے لیے تیار تھی۔

احاطے کے آخری سرے پر بنے ہوئے اپنے چھوٹے سے گھر کے گارڈن میں داخل ہوتے ہوئے آذر نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔

معصومہ اور اس کا بیٹا دونوں ہی اب وہاں نہیں تھے۔

آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس کے ساتھ ساتھ ہی گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

زیتون آپا کا بخار ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ طاہرہ بوکھلا کر بار بار ٹمپریچر چیک کرتی۔ اشرف کو ڈاکٹر بدلنے کا مشورہ دیتی۔ اسے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ زری کی امی نے خود مشورہ دیا ہے، وہ اس تاخیر کے سبب واپس نہ لوٹ جائے۔

"اچھا بھلا یہ کام اب تک ہو بھی چکا ہوتا۔ وہ تو

صرف چار آدمی ساتھ لا کر نکاح پڑھوانا چاہ رہے ہیں اور ہمیں بھی اب وہی دھوم دھڑکا تو کرنا نہیں ہے امی کی بیماری نے سارا پروگرام ٹھپ کر کے رکھ دیا ہے۔"

وہ مت بیزاری سی اٹھتے بیٹھتے یہی ذکر کیے جاتی۔

"تو اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ امی سے بستر سے اٹھا نہیں جا رہا ہے۔ ایسے میں تو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔" اشرف کو بہر حال ماں سے محبت بھی تھی' بار بار کے اس ذکر سے چڑ ہی گیا۔

"مجھے تو اب لگتا ہے کہ امی کو یہ رشتہ پسند ہی نہیں آیا ہے۔" اشرف کے جھنجلانے کو ذرا بھی خاطر میں لائے بغیر وہ بڑے پر یقین لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "دیکھ نہیں رہے ہو جس دن زری کی امی فرید صاحب کو ملوانے لے کے آئی تھیں' امی نے اسی دن سے بستر پکڑا ہوا ہے۔"

"تمہارا او ہم ہے' ایسی کوئی بات نہیں۔" اشرف کھو کھلی سی ہنسی ہنسا۔

ایمان داری کی بات یہ کہ خود وہ بھی فرید صاحب سے مل کر تھوڑی دیر کے لیے ششدر رہ گیا۔

وہ کسی طرح بھی معصومہ جیسی پیاری لڑکی کے لائق نہیں تھے۔ ان کی واحد خوبی صرف وہ بے تحاشا پیسہ تھا جو ان کے کینیڈا میں مقیم دونوں بیٹے بڑی فرماں برداری کے ساتھ انہیں بھیج رہے تھے۔ اگر اس پر پوری طرح حاوی نہ ہوتی تو وہ ایک منٹ کی بھی دیر کیے بغیر انہیں منع کر چکا ہوتا۔

"آج کل کے زمانے میں سب پیسے کو سلام کرتے ہیں اشرف! فرید صاحب کے ساتھ زندگی سنور جائے گی معصومہ کی اور سب سے بڑی بات سعد کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا۔"

فرید صاحب کے ڈیفنس کے ہزار گز والے شاندار گھر سے واپسی پر وہ بڑی دل سوزی سے اس سارے معاملے کے تمام تر روشن پہلو اس کے سامنے رکھتی آئی تھی۔

اشرف کو اپنی بیوی کی نیک نیتی اور معصوم فطرت

پر پہلے ہی بے حد بھروسہ تھا' اب اور بھی بڑھتا جارہا تھا۔ اس کی بیوی سے زیادہ' اس کی بہن اور ماں کا خیر خواہ دوسرا اور کون تھا بھلا؟

"امی! اب آپ خود کو سنبھالیے۔" اسی رات وہ زیتون آپا کی چارپائی کے پاس کرسی ڈالے بڑے رسان سے وہی کچھ کہہ رہا تھا جو نادیہ نے اس سے کہلوانا چاہا۔

"ہمیں معصومہ کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا ہے' یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ فرید صاحب جیسا دولت مند شخص خود چل کر ہمارے اس چھوٹے سے گھر میں آیا ہے۔ اب سمجھ داری اسی میں ہے کہ ہم لوگ بھی تاخیر نہ کریں' ورنہ خدانخواستہ کہیں کوئی موقع سے فائدہ نہ اٹھالے' آخر کو پیسے والے آدمی ہیں۔"

زیتون آپا کا بخار اس وقت ذرا کم تھا۔ نادیہ بڑی سعادت مندی سے انہیں دودھ میں ڈبل روٹی بھگو کر کھلا رہی تھی۔

ان کے چہرے کا پھیکا پڑتا ہوا رنگ صرف پائنتی کی طرف بیٹھی معصومہ نے ہی نوٹ کیا۔

"یہ سعد۔ شاید باہر نکل گیا ہے' میں دیکھتی ہوں۔" دل میں اٹھتی ہوئی آہ کو دباتے ہوئے معصومہ اٹھ گئی۔

"تم بھی بیٹھو معصومہ! تمہیں اپنی رائے استعمال کرنے کا پورا حق ہے۔ دیکھو ہم جو کچھ بھی کرنا چاہ رہے ہیں' تمہاری بھلائی کے لیے ہی ہوگا۔" نادیہ کے اصرار پر اسے واپس بیٹھنا پڑا۔

"بھلا یہ کیسا حق ہے جو اسے صرف ان لوگوں کی ہی منتخب کردہ رائے کی صرف توثیق کرنے کی اجازت دے رہا ہے۔" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

زیتون آپا کا دل بالکل بھی نہیں مان رہا تھا۔

بار بار یہی خیال ستا رہا تھا کہ اگر معصومہ کی جلد از جلد شادی کے بجائے انہوں نے اسے کم از کم گریجویشن ہی کرنے دیا ہوتا تو آج شاید وہ اشرف اور نادیہ کو بہتر جواب دینے کی پوزیشن میں ہوتیں۔

"فرید صاحب کو تو کنواری اور معصومہ سے زیادہ اچھی لڑکی ملنا بھی کون سا مشکل ہے۔ وہ تو زری کی امی کا احسان ہے کہ انہوں نے فرید صاحب کو ہمارے گھر کے لیے راضی کرلیا ہے۔"

نادیہ کی آواز دل پر کسی پن کی طرح چبھ رہی تھی۔ ان کی پیاری بہو جس کی خوبیوں کا چرچا کرتے نہ وہ تھکتی تھیں اور نہ احاطے کی دوسری عورتیں۔

اگر معصومہ اس طرح ٹھوکر کھا کر واپس نہ آئی ہوتی تو شاید زندگی بھر بھی وہ نادیہ کے اس دوسرے رخ کو نہ دیکھ پاتیں۔

ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ چپ چاپ واپس لیٹ گئیں۔

نادیہ اور اشرف ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ ایک کی آنکھوں میں جھنجلاہٹ تھی اور دوسرے کی آنکھ میں کھسیاہٹ۔

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی امی!" اشرف اس بار ذرا غصے میں بولا۔ "نادیہ بے چاری اتنے جتن کرکے معصومہ کو دوبارہ بسانے کی فکر کررہی ہے اور آپ ہیں کہ پریشانی کو اور بڑھائے دے رہی ہیں۔"

معصومہ گھبرا کر بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔ سب ہی کو پتہ تھا کہ وہ غصے کا تیز ہے۔

"بھائی! امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اللہ نے چاہا تو دو چار دن میں امی کی طبیعت ٹھیک ہوجائے گی۔ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں اب حتمی ہماری طرف سے جواب مل جانا چاہیے۔ آخر اب بات اتنی بڑھ چکی ہے۔"

بات بڑھانے والی بھی وہ خود تھی اور پھیلانے والی بھی۔ احاطے کی آدھی عورتوں کو نادیہ کی زبانی اور باقی آدھی کو زری کی امی کی زبانی اس انقلاب کی خبر مل چکی تھی جو معصومہ کی زندگی میں آنے والا تھا۔

ماحول میں بڑی ناقابل برداشت سی گھٹن بڑھنے لگی تو معصومہ ماں کا چھوڑا ہوا دودھ کا آدھا بھرا کپ اور چھوٹی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ بے حسی کی ایک دبیز چادر جو وہ اپنے وجود پر ڈھانپے رکھنا چاہتی تھی' بار بار پھسلنے لگی تھی۔

اور نادیہ کہہ رہی تھی۔

"خانم کی مثال سامنے ہے۔ خدانہ کرے کل کو ہماری معصومہ سے بھی کوئی غلطی ہو گئی تو پھر۔"

زیتون آپا نے بہت بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

"آج صبح سے دوبار آچکی ہے آپ کی طبیعت پوچھنے کے لیے مگر میں دروازے سے ہی ٹالے جا رہی ہوں اسے کہ آپ کو تو ویسے ہی اس کی شکل سے چڑ ہے۔ یہاں آئے گی تو اور ٹینشن ہوگی۔"

تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"میرے خیال میں پھر وہی آئی ہے۔" نادیہ بہت بے زاری سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسی عورتوں کو شرم تھوڑی ہے۔ ایک نمبر کی ڈھیٹ ہیں' لاکھ کوئی ٹالتا رہے مگر۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بلند آواز سے اظہار خیال کرتی جا رہی تھی کہ عقب سے زیتون آپا کی آواز ابھری۔

"خانم کو دروازے سے واپس مت کرنا نادیہ! اسے یہاں میرے پاس لے کر آؤ۔"

نادیہ نے مڑ کر بہت بے یقینی سے ان کے کمزور اور بیمار وجود کو دیکھا۔

خانم اس بار اکیلی نہیں آئی تھی' اس کے ساتھ رضوانہ بھی تھی جسے وہ شاید اس امید پر ساتھ لائی تھی کہ دروازے سے ہی دھتکاری نہ جائے۔ نادیہ اور اس کامیاں دونوں ہی کمرے سے جا چکے تھے۔

"بہت دن سے آپ کی طبیعت کا رضوانہ سے سن رہی تھی مگر آنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔" خانم اپنے مخصوص نرم لب و لہجے میں ان کی مزاج پرسی کر رہی تھی۔ اصل میں تو وہ خود اب تک زیتون آپا کے محبت بھرے خیر مقدم پر حیران تھی۔

زیتون آپا معلوم نہیں کچھ سن بھی رہی تھیں یا نہیں۔ کسی گہری سوچ سے ڈوبتے نکلتے ان کی نگاہیں مستقل ہی خانم کے سادہ سے پر کشش چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ ان کی معصومہ سے محض چند سال ہی تو بڑی تھی۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا۔

معلوم نہیں کیوں بار بار خانم کا چہرہ ـــــ معصومہ کا روپ دھار لیتا تھا۔ زیتون آپا نے بہت غور سے ایک بار پھر اسے دیکھ کر پہچاننا چاہا۔

پتہ ہی نہیں چلا کب' وہ اور معصومہ بالکل ایک جیسی لگنے لگی تھیں۔ اتنی گہری شباہت۔

وہ خانم کے ذرا اور نزدیک کھسک آئیں جیسے بہت اچانک ہی انہیں ادراک ہوا ہو۔

خانم' انوار صاحب' معصومہ اور فرید صاحب۔

سارے نام اور شکلیں آپس میں گڈمڈ ہوئی جا رہی تھیں اور اس سخت الجھن میں وہ اس تلخ ترین سچائی کی روح چھو کر پلٹیں جس نے خانم کو کوچۂ ملامت کی راہ دکھائی۔

اور سمجھوتے کا وہی تیز دھار راستہ اب معصومہ کے قدموں تلے بچھنے کے لیے تیار تھا۔

بے حد خوفزدہ سی ہو کر انہوں نے اپنے سرد ہاتھوں سے خانم کا نرم و ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

وہ جو کچھ بھی کہنے جا رہی تھی' اسے بھول کر حیران سی ہوئی۔ زیتون آپا کو دیکھنے لگی۔

"خانم!" ان کی کپکپاتی سرگوشی فضا میں ابھری۔

"میں نے سنا ہے کہ تم لوگ آذر بیگ کے لیے رشتہ دیکھ رہے ہو۔ اپنی معصومہ کے لیے کوشش کرو نا' کیا خبر وہی راضی ہو جائے۔"

ایک امکان جسے انہوں نے خود ابھی ابھی روشن بنایا تھا' خانم کے لیے بھی انتہائی غیر متوقع تھا۔

"مگر زیتون آپا!"

اس نے شاید آذر کے حوالے سے پھیلی ہوئی بے بنیاد باتوں سے ہی گھبرا کر کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی۔

زیتون آپا کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا خانم! میں زندگی بھر بھی شکریہ ادا کرتی رہی تو بھی تمہیں اس احسان کا ایک حصہ ادا نہیں کر سکوں گی۔"

وہ دفعتاً" ہی خانم کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

*